تاریخ شیعہ کا پہلا ورق

خطیب اکبر لسان الشعراء مولانا سید اولاد حسین صاحب شاعرؔ اجتہادی، پبلسٹی افسر رامپور

(قسط-۲)

وفات:

۱۵ رشوال ۸۲۵ھ میں فیروز شاہ نے انتقال کیا اور گلبرگہ میں دفن ہوئے إنا للہ و إنا إلیہ راجعون۔

فیروز شاہ کی آخری زندگی شکستہ دلوں اور افسردہ مزاجوں کی زندگی تھی۔ دربار بہمنیہ میں روشنی تو تھی مگر طاق شاہی کا چراغ خود خدا سے لولگائے تھا۔ اس کی رنگین مزاجی میں سادگی، حکومت میں نرمی، سلطنت سے استغناء، امور مملکت سے بے پروائی پیدا ہوگئی تھی۔

اس صورت حال سے دو غلاموں نے فائدہ اٹھایا ان کا نام ہشیار و بیدار تھا، ہشیار عین الملک ہوگیا اور بیدار کی قسمت جاگی تو نظام الملک کا خطاب پایا۔ اختیارات کا دائرہ اگرچہ کافی وسیع تھا مگر قناعت نہ تھی اور لالچ اقطار ارض وسموات کو بھی چھوٹا سا گھروندہ جانتی تھی۔ ان دونوں کی نگاہیں تخت فیروزہ کی جگمگاہٹ کو اپنے قدموں کے نیچے اور چتر ہما کا سایہ اپنے سر پر دیکھ رہی تھیں۔

اگرچہ میر فضل اللہ انجو کا خاتمہ ہو چکا تھا، جس خار کی دامنگیری کا اندیشہ تھا، وہ ٹوٹ چکا تھا (اور خدا ہی جانے کسی ہندو راجہ کی سازش سے یا اہل حسد کی کوشش سے) بھی خان خاناں احمد خاں کا وجود ان کے منصوبوں کو خاک میں ملائے دیتا تھا، رات بھر وہ شاہی کے خوشگوار خواب دیکھتے تھے مگر صبح کو خانخاناں کا چہرہ ان زریں تعبیروں پر پانی پھیر دیتا تھا۔ پھر بھی ایک راستہ منزلِ مقصد کے قریب تھا یعنی فیروز شاہ اپنی زندگی ہی میں اپنے فرزند حسن خاں کو ولی عہد کردے اور یہ دونوں در پردہ حکومت کریں۔ بیٹے کے لئے باپ سے سفارش کرنا کوئی اہم امر نہ تھا۔ یقیناً چپکے چپکے کہا ہوگا۔ ہاں یہ آوازۂ بلند آج تک تاریخ کے اوراق سے سرٹکرا رہا ہے کہ حسن خاں کو فیروز شاہ نے ولی عہد کردیا۔ حسب مدعا ولی عہد کے تقرر کے بعد منزل مقصود اور ایک قدم باقی رہ گئی۔ چنانچہ فیروز شاہ کو اس پر بھی آمادہ کرلیا گیا کہ خانخاناں کو یا تو قتل کردیا جائے یا کم از کم نابینا کر کے عدم و وجود برابر کردیا جائے۔ خانخاناں کو یہ خبر پہنچی اس نے اپنے گردوپیش شاہی لشکروں سے مقابلہ کرنے والوں کا اجتماع نہ پایا، صرف چار سو مسلح جوان تھے۔ اگرچہ یہ سب مسلح متحد یک دل و یک زبان تھے مگر ان کی تعداد ملک پر قبضہ کرنے کے لئے کافی نہ تھی۔ غرض وہ دن تو ہجوم افکار میں گزرا۔ شب کو خانخانان اپنے فرزند علاء الدین کے ساتھ بندہ نواز خواجہ سید محمد گیسو دراز سے فیض روحانی حاصل کرنے پہنچے۔ بندہ نواز نے بھی بندہ نوازی کی اور نہ صرف دونوں باپ بیٹوں کو دعائے خیر دی بلکہ اپنی دستار بھی دونوں کے سر پر باندھی اور ساتھ ہی کھانا بھی کھایا اور مژدہ سلطنت بھی دیا۔

خانخاناں اسی صبح کو اپنی مختصر فوج کے ساتھ دارالسلطنت سے کوچ پر تیار ہوگئے۔ شہر کے دروازے پر خلف حسن بصری سے ملاقات ہوئی اور وہ بھی مبارکباد سلطنت دیتے ہوئے۔ خلف حسن بصری ایک تاجر تھے جو اکثر تجارت کے ذریعے سے خانخاناں کی خدمت میں آتے رہتے تھے اور کافی فائدہ اٹھایا تھا۔

یہ چوتھی صدی کا واقعہ ہے جب شریف اپنی احسان مندی و وفا سے پہچانا جاتا تھا اور جب ادائے احسان کے لئے وقت کی تلاش رہتی تھی اور وقت ملنے پر جان نثار کردینا شریف کا شیوہ تھا۔ یہ چودھویں صدی نہ تھی جب غیر تو غیر مادر وطن کا احسان نہ صرف چشم پوشی بلکہ قابل فراموش ہے۔

خلف حسن بصری بھی شریف تھے۔ حالات معلوم کرنے کے بعد خانخاناں کی ممانعت پر بھی ساتھ ہوئے اور خان خاناں کو یہی جواب دیا کہ وقت فراغت وآسائش، جلیس وندیم بودن ودر محنت وتعب خاک بیوفائی در دیدۂ مردم می پاشیدن در کیش ارباب وفا پسندیدہ نیست۔ خانخاناں کو خلف حسن بصری کی شرافت اور وفاداری پسند آئی لیکن صلہ دینے کے لئے کیا تھا۔ ہاں وعدہ کیا کہ اگر سلطنت ہم کو حاصل ہوئی تو تم بھی شریک ہوگے۔ غرض دارالسلطنت سے نکل کر پہلی منزل خانپور میں ہوئی اور خان خاناں نے نذر کی کہ اگر سلطنت ملی تو وہ اس قصبہ کا نام رسول آباد رکھ کر اس کو سادات مکہ ومدینہ ونجف اشرف وکربلائے معلیٰ کے لئے وقف کردے گا۔ (۱)

لوخدا کی شان دیکھو کہ آج مکہ معظمہ ومدینہ منورہ کے پہلو بہ پہلو نجف اشرف وکربلائے معلیٰ بھی یاد آرہا ہے۔ کیا تاریخ اسلام اس انقلاب ذہنی کے بعد بھی احمد خان خاناں کے مذہب کو شیعہ نہ تسلیم کرے گی۔ اگر دلیل پوچھو تو صاف یہ ہے کہ آج سے پہلے کسی مسلمان بادشاہ نے نجف اشرف یا کم ازکم کربلا کو یاد نہیں کیا۔ سب سے بڑے سخی بادشاہ بہمنی علاء الدین حسن کانگوئی نے بھی آخری خیرات میں صرف حنفی المذہب تک اپنی سخاوت کو محدود رکھا، اگرچہ آج خیرات میں غیر مسلم بھی نہیں چھوڑے جاتے۔ کیا اس کا یہ مطلب نہیں کہ شیعہ مستحق نہیں ہوتا۔ اگرچہ ہمارے لئے اس ضمنی دلیل کو پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔۔۔۔۔۔کہ ابوالقاسم ابن محمد علی سمنانی ساسانی نے اپنی کتاب سلالۃ السیر (۲) میں صاف صاف اقرار کرلیا ہے اور (خان خانان احمد خاں) قواعد لشکر کشی وآداب فرمانروائی را نیکو میدانست وشیعہ مذہب بود واعتقادے تمام بہ سید محمد گیسو دراز داشت وشہر احمد آباد بنا کردہ اوست۔

خانخانان اس کے بعد کلیانی وگلبرگہ و بیدر سے لوگوں کو جمع کرتے رہے یہاں تک کہ رفیقوں کی تعداد چار سو سے بڑھ کر ایک ہزار ہوگئی پھر بھی کوئی مستقر نہ تھا، آج یہاں کل وہاں پھر رہے تھے۔

ادھر عین الملک ونظام الملک چار ہزار سواروں اور چند ہاتھوں کے ساتھ چڑھ دوڑے اور بعد کو مزید کمک آجانے سے یہ لشکر آٹھ ہزار کی تعداد تک پہنچ گیا۔ حوالی گلبرگہ میں اس لشکر نے احمد خاں خانخاناں کو گھیر لیا اگرچہ خلف حسن بصری جنگ پر آمادہ تھے اور ایک چلتی ہوئی تدبیر بھی بڑھتی ہوئی تقدیر کے ساتھ تھی یعنی کچھ بنیے بقال اپنے ٹٹوؤں اور گائے، بیل کے ہمراہ قریب ہی آکر اتر پڑے تھے خلف حسن بصری کی یہ رائے تھی کہ بیلوں کے سینگوں پر بیرقیں باندھ کر اور غیر فوجی آدمیوں کو سوار کرکے غلاموں کو کثرت لشکر سے ڈرایا جائے اور یہ افواہ اڑائی جائے کہ خانِ خاناں کے ساتھ بہت بہمنی امرا شریک ہیں جو اپنی جاگیروں سے لشکر لئے آرہے ہیں مگر خانخاناں جنگ پر تیار نہ تھے۔

غرض جنگ سے پہلوتہی کی گئی۔ کسی نہ کسی طرح شاہی لشکر کی زد سے الگ نکلے۔ راہ میں ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے تو خواب میں دیکھا کہ ایک شخص درویش لباس ایک تاج سبز رنگ دوازدہ ترک دے کر کہہ رہا ہے کہ یہ تاج سلطنت ہے جو ایک فقیر گوشہ نشیں نے بھیجا ہے۔

قارئین کرام کو اسی خاندان بہمنیہ کا چتر سیاہ فراموش نہ ہوا ہوگا جو لباس عباسیہ کا ہمرنگ تھا۔ اب اس تاج سبز دوازدہ ترک کو دیکھئے سادات کا شعار آج سبز رنگ ہے جو سلاطین نبی فاطمہ مصر نے منتخب کیا تھا اور آج تک جاری ہے۔ شاید یہ اس لئے کہ کربلا والے علم کا پھریرہ بھی سبز رنگ تھا اور اگر یہ بھی مناسبت صحیح نہ سمجھی جائے تو شاعرانہ نزاکت سے کس کو انکار ہوسکتا ہے۔ سادات کا رنگ سبز سبزۂ باغ سے پیدا کیا گیا جو آج بھی بیگانہ کہا جاتا ہے،

---

(۱) فرشتہ، ج ۱ ص ۳۱۷

(۲) سلالۃ السیر قلمی نسخہ، ص ۲۵۶۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ کتاب طبع ہوئی یا نہیں لیکن مذکورہ نسخہ قلمی کتاب خانہ رامپور کی فہرست تاریخ میں نمبر ۲۶۸ پر موجود ہے۔

جس طرح اہلبیت اپنے گھر کی شریعت سے یگانہ ہوکر بیگانہ کردیئے گئے اور اسی طرح پامال تھے جس طرح آج سبزہ پامال ہے۔ پھر لطف یہ کہ تاج بھی چار ترک نہ تھا دوازدہ ترک تھا۔ کیا خوب ہوتا اگر اس جگہ مکاشفہ یوحنا عارفہ ملحقہ انجیل کا بھی مطالعہ کرلیا جائے[1] جس میں یوحنا نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے آسمان پر ایک نشان دیکھا پھر ایک عورت نظر آئی جو آفتاب کو اوڑھے ہوئے تھی اور جس کے پائیتی مہتاب اور سر پر بارہ ستاروں کا تاج تھا اور دردزہ میں مبتلا تھی یہ وہ ماں ہے جس کا فرزند لوہے کے عصا سے حکومت کرے گا۔

یوحنا کو پھر ایک نشان نظر آیا اس عورت کے قریب اژدر ہفت سر نظر آیا جو چاہتا تھا کہ بچے کو نگل لے مگر بچہ پیدا ہوتے ہی تخت خدا کے سامنے پیش کردیا گیا۔

ساتھ ہی ساتھ تفسیر والشمس والقمر بھی ملاحظہ ہو اور پھر غور کیا جائے کہ یہ کون عورت ہے جس کی سر پر نبوت اور جس کے قدموں میں اولادِ سعید کی طرح امامت جلوہ گر ہے۔ اور یہ بارہ ستارے کون ہیں جو گہر ہائے تاج فخر ہیں کس کے فرزند کی شریعت لوہے کے ڈنڈے سے چلے گی اژدرِ ہفت سر اپنی ہر ہفت قوت کے ساتھ کس کو ہلاک کردینے پر تیار تھا اور کون پیدا ہوتے ہی تخت خدا کے سامنے پیش کردیا گیا، اگر یہ عورت حضرت مریم مادرِ عیسیٰؑ ہیں تو تاریخی ناواقفیت ہے یوحنّا پیشینگوئی کررہے ہیں اور اس وقت جب بقول نصاریٰ عیسیٰؑ شہید ہوچکے ہیں (اور بقول قرآن مجید رفع عیسیٰؑ ہوچکا ہے)۔

اگر یہ تصور ہلکا سا چربہ مادر حضرتِ سرور کائنات (حضرت آمنہ) کا ہے تو چشم ما روشن دل ماشاد مگر آنحضرتؐ نے کبھی لوہے کی سی سختی اختیار نہیں کی "واخفض جناحک للمومنین" سر جھکائے رہنے کا حکم شاہد عینی ہے۔ پھر تخت خدا کے سامنے پیش ہونے سے اگر معراج مراد ہے تو وہ ۲ھ میں ہوئی ہے جس وقت آنحضرتؐ کا سنِ مبارک ۵۳ برس کا تھا۔ اگر وفات کا وقت مقصود ہے تو سن مبارک ترسٹھ سال کا تھا۔ ہم کسی کا نام نہیں لیتے مگر خدا کا شکر کرتے ہیں کہ ائمہ اہلبیتؑ ان لوگوں میں نہ تھے جو ولادت سے پہلے مذکور نہیں ہوتے "مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ" ہمارا یہ بیان ان لوگوں کے لئے بھی نہیں ہے جو صرف مادیت کے آگے سربسجود ہیں "اِنّما یتذکر اولو الالباب" یہ تو روحانیت والے ٹھنڈے دل سے سوچیں، اب تاج دوازدہ ترک پانے والا اور لانے والا اور بھیجنے والا کس مذہب سے متعلق تھا، یہ کوئی راز نہیں رہا اگرچہ فرشتہ نے تصریح نہیں کی مگر تاریخ کے تصنیف کا زمانہ اسی کا مقتضیٰ تھا کہ وہ تقیہ سے کام لیں۔

اس بشارت غیبی کے بعد خانخانان کا دل بڑھ گیا۔ عین میدان جنگ میں بقالوں کے گاؤخر کا سیاہہ دکھایا دکھایا گیا اور غلاموں کے جی چھوٹ گئے۔ خانِ خاناں کو نہ صرف پہلی فتح حاصل ہوئی بلکہ اس ہزیمت خوردہ لشکر کے پسماندگان بھی ان کی کی فوج میں آملے اور مال و اسباب ہاتھی گھوڑے غنیمت میں حاصل ہوئے اور گلبرگہ سے قریب لشکر نے چھاؤنی چھائی۔

عین الملک کے اور نظام الملک کے اغوا سے فیروز شاہ نے اس شکست کا تدارک چاہا۔ اپنے بیٹے حسن خاں کے سر پہ چتر شاہی آراستہ کرکے خود پالکی میں بیٹھ کر ساتھ ہوا اور مقابلہ کی ٹھہر گئی لیکن بیماری کی زیادتی ہوئی ہوش وحواس جاتے رہے بیہوش بادشاہ کی پالکی واپس ہوئی اور پالکی کے ساتھ جنگی منصوبے بھی منہزم ہوئے۔

ہم کو خان خاناں میں سب سے بڑی شیعت جو نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے بڑے بھائی کا تعاقب کرنا خلاف ادب سمجھا، ورنہ وقت کو تو حضرت عالمگیر نے اپنے باپ شاہ جہاں کے مقابل میں بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔ یہی حسن سیرت ہے جس پر شیعہ قوم کو فخر ہے اور یہی ان کے مذہب کی روح تعلیم ہے۔ عین الملک ونظام الملک نے اس کے بعد بھی حرفت مزبوحی کی نمائش کی۔ حسن خاں بھی تاج بارہ پر سے آتشیں توپوں کے

(۱) مکاشفہ یوحنا ملحقہ انجیل مطبوعہ فارن بائیبل سوسائٹی لاہور۔ ۱۲

دہانے کھولتا رہا مگر خانخاں نے کوئی جواب نہ دیا، صرف توپوں کی زد سے الگ ہٹ گئے۔

آخر فیروز شاہ کو ہوش آیا اور انہوں نے حسن خاں کو سمجھایا اور بتایا کہ سارا لشکر بھی اب خاں خاناں کی طرف مائل ہے میں نے تدبیر کی مگر تقدیر کچھ اور ہی کہتی رہی لہٰذا تم کو خاموش ہو جانا چاہئے۔ آخر خاں خانخاناں کو قلعہ میں بادشاہ نے بلا لیا اور خان خانان نے بڑے بھائی کے پاؤں پر سر رکھ کر گرم گرم آنسوؤں سے تر کر دیا۔ فیروز شاہ نے شکر کیا کہ میں نے اپنی زندگی میں تم کو بادشاہ دیکھ لیا، پھر وصیت کی اور کہا کہ تم کو خدا کے سپرد کرتا ہوں اور حسن کو تمہاری حفاظت میں دیتا ہوں۔ فیروز شاہ نے اس کے بعد انتقال کیا اور شاہانہ شان و شوکت سے فیروز شاہ کا جنازہ اٹھایا گیا۔

مؤرخ فرشتہ نے بعض کتابوں کے پتہ سے یہ بھی لکھا ہے کہ آخر وقت میں احمد خاں خاناں نے بھائی کا گلا گھونٹ دیا مگر یہ روایت ایسی کتابوں سے نقل ہوئی ہے جن کا نام بھی نہیں لکھا گیا۔ پھر شاہی ملنے سے پہلے جس بھائی نے تعاقب کرنا پسند نہ کیا ہو، اس کی طرف اس قسم کا گمان کرنا خون اخلاق کرنا ہے۔ حقیقتاً یہ ایک افواہ تھی جس کو شیعہ بادشاہ کے لئے وضع کرنا ہی چاہئے تھا۔ فرشتہ نے بھی تاریخی خیانت پسند نہیں کیا اور اسی نے افواہاً لکھ دیا مگر تاریخ ہند جان سی مارسس [1] صاحب نے بے وقعت افواہ کا تذکرہ تک نہیں کیا۔

احمد شاہ بہمنی کی تخت نشینی

خانِ خاناں نے اپنا نام بہمنی خطبہ وسکہ میں جاری کیا اور ۵ رشوال روز جمعہ ۸۲۵ھ تختگاہ گلبرگہ میں تخت نشینی عمل میں آئی۔ فیروز شاہ اس تخت نشینی سے دس روز بعد تک زندہ تھے۔

اس خاندان میں احمد شاہ سے پہلے خاندان شیخ محمد سراج سے بیعت کی جاتی تھی۔ فیروز شاہ کے عہد سے سست عقیدگی ظاہر ہونے لگی تھی مگر احمد شاہ نے کھلم کھلا سید محمد گیسو دراز کی مریدی اختیار کر لی۔ [1] اس تبادلۂ بیعت میں بھی مذہبی اثرات کارفرما تھے۔ اس لئے کہ خاندان شیخ محمد سراج ویسا ہی کھلا سنی تھا جیسے سید محمد گیسو دراز صاف صاف شیعہ تھے۔ غرض شیوخ سے ترکم ترکا اور اولاد رسول سے ظاہر بظاہر بیعت شروع ہوگئی اور بہت سے گاؤں ان کے لئے وقف ہوئے اور شہر کے متصل ایک محل سرا بھی بنوا دی گئی۔

خلف حسن بصری وکیل امور سلطنت و خطاب ملک التجار سے مشرف ہوئے۔ اگرچہ بہت لوگوں نے اغوا بھی کیا مگر بادشاہ نے حسن خاں کو منصب بھی دیا اور فیروز آباد کا علاقہ بھی حوالے کر دیا۔ حسن خاں ایک عیاش فطرت شخص تھے اپنے چچا کی زندگی تک خوب گزاری۔

حسن خاں میں تو خون شریک تھا۔ مگر احمد شاہ نے عین الملک و نظام الملک کی اس وفاداری کی بھی قدردانی کی جو فیروز شاہ کے لئے وفا اور خود احمد شاہ کے لئے جفا تھی۔ چنانچہ منصب امرائی کے ساتھ عین الملک کو امیر الدولہ کا خطاب بھی عطا ہوا۔ اور نظام الملک کو دو ہزاری منصب اور دولت آباد کی سرلشکری (صوبہ داری) عطا فرمائی گئی۔

دیورایے والیٔ بیجا نگر سے پہلی شکست کا انتقام

احمد شاہ نے سرحد گجرات کو مضبوط کر کے دیورائے سے انتقام لینے کی ٹھانی جس نے فیروز شاہ کے عہد میں نہ صرف مسلمانوں کا قتل عام کیا بلکہ انہدام مساجد و معابد میں بھی دریغ نہ کیا۔ آخر سلطان احمد شاہ چالیس ہزار سواروں کی جمعیت سے حملہ آور ہوا۔ گلبرگہ سے کوچ کر کے دریائے تمہدرہ کے کنارے قیام کیا اس وقت دیورائے کی فوجوں کا اندازہ دس لاکھ کے قریب تک کیا گیا ہے اسی بناء سے دیورائے کی طرف سے زیادتی بھی ہو رہی تھی۔ شب کو چھپ کر لشکر اسلام میں ہنود آتے تھے ادھر ادھر جانداروں میں سے جو کوئی مل گیا ان کو قتل کر کے واپس چلے جاتے تھے۔ آخر سلطان احمد شاہ نے شب کو بزم مشورت آراستہ

(۱) ترجمہ تاریخ جان سی مارسس میں بھی قبول کیا گیا اور قتل کا کوئی اشارہ بھی نہیں ہے۔ ۴۰۴

(۲) فرشتہ، ج ا ص ۲۱۹

کی اور تمام سرداران سپاہ نے کلام مجید کی قسمیں کھائیں اور صبح کو دریا عبور کرنے کی ٹھن گئی۔ رائے ورنگل تک اس عزم مصمم کی خبر کسی نہ کسی طرح جا پہنچی اور وہ راتا راتی اپنی فوج سمیت ورنگل کی طرف روانہ ہو گیا پھر بھی دیورائے کی تمکنت وغرور میں کمی نہ تھی اور وہ فوجیں آراستہ کر رہا تھا، ادھر سے دلاور خاں افغان نے صبح سے پہلے دس ہزار سواروں کے ساتھ دریا عبور کر لیا۔ ہنوز صبح نمودار نہ ہوئی تھی اور دھندلکا باقی تھا کہ سلطانی لشکر نے حملہ کر دیا اور دیورائے کی فوج پراگندہ ہو گئی۔

دیورائے نیشکر کے کھیت کے قریب محوخواب تھا کہ سلطانی لشکر نے دریا عبور کیا اور قدرتی شیرینی (شکر) انعاماً حاصل کرنے لگے دیورائے کو سر پر شکر کا بوجھ لے کر بھاگنا پڑا۔ اگر صبح ہوتی اور لشکر سلطانی پہچان لیتا تو سارا فسادا سی دن تمام تھا۔

سلطان احمد شاہ نے تمام ملک سے پورا انتقام لیا ہزارہا ہندو قتل اور زن وفرزند اسیر ہوئے، مساجد کے عوض بت خانے مسمار کردئے گئے، اکثر بت ہائے روئیں خواجہ بندہ نواز کے آستانے پر پائمالی کے لئے بھیجے گئے۔

خوش قسمتی سے جشن ہائے فتح سے جشن نوروزی بھی بغلگیر ہوا اور خوب دھوم دھام منائی گئی۔ (اتفاقاً ہم بھی اس واقعہ کو نوروز ہی میں لکھ رہے ہیں)۔

سلطان احمد شاہ کی بے نظیر شجاعت

اس واقعے کے بعد سلطان احمد شاہ بہت تھوڑے مصاحبین کے ساتھ عازم شکار ہوا۔ ادھر دیورائے کے ہندوؤں کو خبر ہو گئی اور چار پانچ ہزار ہم عہد و پیمان ہندوؤں کے لشکر نے اس دو چار سو کی جماعت کا تعاقب کیا۔ نہر کنڈی کے سامنے مویشی کا خام باڑہ بنا ہوا تھا سلطان احمد شاہ نے اسی کو قلعۂ محفوظ سمجھا نہر کو عبور کرتے کرتے دشمن آپڑا اور تقریباً دو سو مسلمان زخمہائے تیر سے کشتہ ہوئے۔ قریب تھا کہ سلطان بھی قتل ہو جائے مگر اتفاق وقت سے جانوران لشکر کے کچھ محافظ ادھر آنکلے اور انہوں نے تیراندازی شروع کر دی۔ سلطان نے اتنا وقفہ پاتے ہی نہر سے گھوڑے کو نکالا اور باڑے میں جا پہنچا۔ مسلم تیراندازوں نے دیوار سے تیر اندازی شروع کر دی لیکن یہ بیچارے چند کس اور ادھر ہزاروں کا نرغہ، پھر بھی شیعہ بہادران فوج نے قدم جمادیئے سید حسن و میر فرخ بدخشی و میر علی سیستانی خواجہ حسن اردستانی خواجہ بیگ قلندر قاسم بیگ صف شکن (عبداللہ کابلی) نے مرنے پر کمر باندھ کر وہ اظہار شجاعت کیا کہ دشمن محوحیرت تھے۔

لیکن ہندوؤں کے نرغے نے چند تیراندازوں کو تیر و سنگ و کلوخ کا نشانہ بنا کر قتل کیا اور باڑے کی دیوار کے نزدیک پہنچ گئے اور دیوار گرانے کی فکریں کرنے لگے۔ سلطان اپنے ساتھیوں کے ساتھ خود بھی مصیبت میں شریک مگر مطمئن تھا۔ ادھر سر سلحداران عبدالقادر بن محمد عیسیٰ بن محمود بن عمادالملک منصب دار دوصدی کو خیال ہوا کہ بادشاہ چند خاصہ سواروں کے ساتھ محو شکار ہے اور دشمن کا ملک ہے ایسا نہ ہو کہ کوئی افتاد درپیش ہو لہٰذا تین ہزار سواروں کے ساتھ تیزی سے جنگل کی طرف روانہ ہوا اور عین وقت پر پہنچا، فوراً فوج کو مرتب کر کے ہندوؤں پر حملہ شروع کر دیا، جب باڑہ کی دیوار نصف منہدم ہو چکی تھی اور جنگ جاری تھی۔

یہ لڑائی بہت شدید لڑائی تھی ایک ہزار ہندو اور پانچ سو مسلم شہید ہوئے لیکن ہندوؤں نے فرار پر قرار کیا اور سلطان احمد شاہ کو اس ناگہانی بلا سے نجات حاصل ہوئی۔ سلطان نے سر سلحدار عبدالقادر کو برادر جاں بخش کا لقب دیا اور حق گزار وخانِ جہاں کے لقب کے ساتھ منصب دو ہزاری و سرلشکر برار مقرر فرمایا اور ان کے بھائی عبداللطیف کو خطاب خانِ اعظم ومنصب دو ہزاری و سرلشکری تلنگ عنایت فرمائی اور اس جانباز گروہ کے اکثر افراد کو خلعت و منصب عطا ہوئے۔ سید حسن نجفی و میر فرخ بدخشی و میر علی سیستانی و حسن خاں و فرخ خان و علی خاں کو منصب سہ صدی و قاسم صف شکن کو پنج صدی مع جاگیر کلہر و خواجہ بیگ کو خطاب قلندر خاں و کافرکش ومنصب دوصدی دے کر داروغہ گلبرگہ کر دیا وعبداللہ کابلی حاکم جنیر منصبداراں صدہ میں مقرر کئے گئے۔

اسی دن سے سلطان نے تیراندازی کی مشق عام کر دی،

شاہزادہ کو خواجہ حسن اردستانی وخسرو بیگ کا شاگرد کر دیا اور عراقی وخراسانی وماوراء النہری و رومی وعرب سے تین ہزار تیر انداز مقرر ہوئے۔

دیورائے شکست پر شکست سے مجبور ہوگیا اور جب قلعۂ بیجانگر محصور ہوچکا تھا، اس نے صلح کی عرضداشت بھیجی اور آخر سالہائے گذشتہ کا باقی خراج اپنے بیٹے کے ساتھ بھیجا۔

ولی بہمنی

سلطان احمد شاہ کے عہد میں متواتر دو سال بارش نہیں ہوئی قحط عظیم رونما ہوا۔ بادشاہ نے رعایا کے لئے درفیض کھول دیئے۔ علماء نے نماز استسقاء ادا کی مگر بارش نہ ہوئی آخر سلطان احمد شاہ تنہا صحرا میں گئے اور نہایت تضرع وزاری سے نماز کے بعد دعا کی۔ سجدہ سے سر نہ اٹھایا تھا کہ شدید بارش شروع ہوگئی اور اسی دن سے لوگ احمد شاہ کو ولی بہمنی کہنے لگے۔

ورنگل کی فتح

۸۲۸ھ میں رائے درنگل پر اس لئے لشکرکشی کی گئی کہ وہ اصلاً رائے بیجا پور کا طرفدار ہوکر میدان میں آیا تھا۔ اگرچہ بادشاہ بھی روانہ ہوا مگر خان اعظم عبداللطیف خاں کے ہراول دستہ نے پہلے ہی فتح کرلیا اور بادشاہ کو ورنگل سے بیشمار دولت حاصل ہوئی۔ ورنگل کے بعد خان اعظم نے بالک تلنگہ من ورثائے رائے ورنگل کا کافی استیصال کر دیا۔

۸۲۹ھ میں قلعہ ماہور جو سلطنت بہمنیہ سے نکل گیا تھا دوبارہ قبضہ میں آیا۔ کلم کے ساتھ معدن الماسی بھی قبضہ میں آئی۔ اسی سلسلے میں ایک سال ایلچپور میں قیام رہا اور قلعہ کادیل کی تعمیر وقلعہ ترنالہ کی ترمیم کی گئی۔

قلعہ کادیل کی بنا درحقیقت ملک خاندیش پر اثر انداز تھی اور یہ علاقہ صاحبقران امیر تیمور نے انعاماً سلاطین بہمنیہ کو حوالے بھی کیا تھا۔ ہوسنگ شاہ اس تازہ تصرف کو برداشت نہ کرسکا اور والی خاندیش کی مدد سے قلعہ کہترلہ پر بار بار ناکام حملے کرنے لگا لیکن والی کہترلہ نرسنگھ جو احمد شاہ کا خراج گذار تھا ہمیشہ شکست دیتا رہا آخر خود ہوشنگ شاہ نے پوری جمعیت سے حملے کی ٹھانی اور نرسنگھ نے سلطان احمد شاہ سے مدد مانگی۔

سلطان نے صوبہ دار برار خان جہاں عبدالقادر کو حکم امداد نرسنگھ بھیج کر خود بھی چھ سات ہزار سواروں کے ساتھ کوچ کر دیا اور ایلچپور پہنچنے پر معلوم ہوا کہ ہوشنگ شاہ نے ابھی تک شاہ آباد منڈو سے حرکت نہیں کی ہے، اس لئے بادشاہ مصروف شکار ہوگیا۔ ادھر ہوشنگ شاہ نے خیال کیا کہ احمد شاہ دبکی مار رہا ہے، فوراً یلغار کر دیا اور نرسنگھ کی مملکت میں قتل کا بازار گرم ہوگیا۔ یہاں تک کہ نرسنگھ قلعہ کہترلہ میں محصور ہوگیا۔ احمد شاہ کو خبر معلوم ہوئی اور وہ چلا ہی تھا کہ علماء نے مسلمانوں سے قتال کو حرام ٹھہرادیا اور بادشاہ نے حکم شریعت کا پورا احترام کیا، ہوشنگ شاہ کو لکھا کہ نرسنگھ میرا طرفدار و باجگزار ہے تم اپنے ملک کو پلٹ جاؤ میں اپنے تخت گاہ کی طرف واپس جاتا ہوں لیکن ہوشنگ شاہ نے اس صلح نامہ کو ٹھکرادیا اور احمد شاہ کا تعاقب شروع کر دیا اور تعاقب بھی یوں کہ آج اس منزل سے احمد شاہ روانہ ہوتے تھے دوسرے دن ہوشنگ شاہ وہاں قیام کرتا تھا۔

احمد شاہ جب اپنی سرحد پر پہنچا تو اس نے علماء سے صاف کہہ دیا کہ اب پیچھے ہٹنا میری توہین ہے جو میری سرحد میں داخل ہوگا اس سے جنگ کروں گا۔ یہ تو تھا تاریخ کا خلاصہ اب مذہبی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو آپ کو تعجب ہوگا کہ عالمگیر، ابوالحسن تاناشاہ پر فوج کشی کرتا ہے اور دہلی سے گولکنڈہ تک چڑھائی ہوتی ہے۔ اور ہزاروں مسلم قتل ہوتے ہیں مگر ایک عالم مذہب بھی یہ نہیں کہتا کہ ابوالحسن مسلمان ہے یہ کیوں کہئے کہ ابوالحسن شیعہ تھا اور شیعہ مسلمان نہیں ہوتا یوں تسکین کر لیجیے کہ حضرت عالمگیر پانچویں مجتہد تھے اور یہ خطا خطاء اجتہادی تھی۔ رہا خون مسلم وہ بقاعدۂ قدیم نہ ادھر کا رہا نہ ادھر کا ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

احمد شاہ کا اپنی سرحد پر ٹھہر جانا اور غیر سرحد سے ہٹ آنا،

مسئلہ دفاع کی روشنی میں دیکھئے اور اس پر فخر کیجئے کہ احترامِ شریعت میں بھی ہمارے بادشاہ آگے رہے ہیں۔

اب علماء بھی مجبور تھے اور کوئی حیلۂ شرعی باقی نہ تھا غرض دوسرے دن دونوں لشکروں میں قیامت خیز جنگ ہوئی۔نتیجہ جو ہونا چاہئے تھا وہی ہوا یعنی ہوشنگ شاہ تمام مال و اسباب کے ساتھ اپنے ناموس کو بھی چھوڑ کر بھاگ گیا۔ان گرفتاروں میں ہوشنگ شاہ کی دو بیٹیاں بھی تھیں اگر چہ یہ نا کتخدا تھیں اور اسیرانِ جنگ میں تھیں مگر احمد شاہ شیعہ تھا۔اس نے گرفتاروں کو خلعتہائے فاخرہ دئے اور خواجہ سراؤں کو ہمراہ کر کے بعزت واپس کر دیا۔

اس فتح حق کے بعد نرسنگھ بادشاہ کو اپنے قلعہ میں لے گیا اور علاوہ دعوت کے بہت کچھ مال ومتاع نذر دیا جن میں الماس و یاقوت و در عدن یک من وزنی تھے۔اسی سلسلۂ سفر میں بادشاہ ایک پر بہار خطہ میں پہنچا جس پر احمد آباد بیدر کی بنیاد پڑی اور یہی شہر آخر میں تخت گاہ ہو گیا۔احمد شاہ بہمنی و احمد شاہ گجراتی سے بھی جزیرہ مہیم بمبئی (آج مہیم بمبئی کا ایک کالونی ہے) کے لئے جنگ ہوگئی مگر علماء نے صلح کرادی۔احمد شاہ نے اپنے بیٹوں پر ملک تقسیم کر دیا اور ملک التجار خلف حسن بصری کی سر کردگی میں ملک کوکن فتح ہوا۔

احمد شاہ نے بارہ سال دو مہینہ حکومت کے بعد ۲۸ رجب ۸۳۸ھ میں انتقال فرمایا۔رحمۃ اللہ علیہ

احمد شاہ کے خصائص

احمد شاہ فقیر دوست وسادات پرور تھے،علم دوستی کا جذبہ حد کی کمال کو پہنچا تھا۔ملک الشعرا آذری انہیں کے عہد میں وارد ہندوستان ہوئے اور شہر احمد آباد کی تعریف میں قطعۂ ذیل نظم کیا جو بخط ملا شرف الدین، زندارانی مرید شاہ نعمت اللہ ولی دروازہ احمد باد پر نصب کیا گیا:-

قطعہ

حبذا قصر مشید که زفرط عظمت
آسمانِ سده از پایۀ ایں درگاه است
آسماں ہم نتواں گفت که ترک ادب ست
قصرِسلطانِ جهاں احمد بهمن شاه است

لطف یہ کہ شاہ نعمت اللہ ولی وملا شرف الدین ماز ندرانی وملک الشعرا آذری یہ سب کے سب شیعہ تھے۔شیخ آذری نے مشہور 'بہمن نامہ' بڑی حد تک نظم کیا۔ان حضرات کا تذکرہ ذیل اولیاء وشعراء وعلماء شیعہ میں ہوگا انشاء اللہ المستعان۔

شاہ نعمت اللہ ولی کا تاج دوازدہ ترک بھیجنا اور احمد شاہ کو اپنے خواب کی پوری پوری تعبیر ملنا، شاہ موصوف کے تذکرہ میں درج ہوگا۔احمد شاہ نے کربلائے معلیٰ ودیگر مقاماتِ مقدسہ کے سادات کے لئے بہت کچھ خیرات بھیجی ہے۔سید ناصر الدین کربلائی کی توہین کے انتقام میں شریک خاں کو پائے فیل میں بندھوا دیا۔احمد شاہ کی مدح میں خوب کہا ہے:

ندیدی کس از خویش واز اجنبی
گرامی تراز اہلبیت علیہ السلام نبیؐ
بجان معتقد بود سادات را
ہمه اہل تقویٰ وطاعات را
یقینش قوی بود دستش درست
بجز داد گر یاری از کس نجست

اولاد شاہ نعمت اللہ سے اپنی لڑکیوں کا عقد کیا اور خود شہزادہ علاء الدین کا عقد نصیر خاں فاروقی والی سندھ کی دختر سے کیا۔شاہ نعمت اللہ نے اپنے قلم سے لکھا تھا: اعظم الشہاں شہاب الدین احمد شاہ ولی۔

سلطان علاء الدین بن سلطان احمد شاہ بہمنی

۲۹ ررجب ۸۳۸ھ کو آفتاب اقبال بہمنیہ کا عروج ہوا اور سلطان علاء الدین تخت نشیں ہوئے۔تخت نشینی تاریخ سلاطین میں کوئی نئی بات ہے، نہ تختہ موت کی طرح کروٹ بدل لینا کوئی نیا حادثہ۔سلطان علاء الدین کی تخت نشینی بھی قابل مبارکباد نہ ہوتی اگر اس نے اپنے مسلک اخلاق کے وہ جوہر نہ پیش کئے ہوتے جن سے جواہر خانہ تاریخ ہمیشہ روشن رہے گا۔سلطان علاء الدین

میں جذبۂ رحم وکرم بہت زیادہ تھا، وہ خطا پوش وعفو کوش تھا، صلۂ رحم اس کی گھٹی میں پڑا تھا۔

حصول سلطنت یا بقائے حکومت کے لئے برادر کشی سلاطین اسلام کی سنت ہے اور جن کا اتقا جن کی عظمت زیادہ دلکش ہے، وہی اس بدسلوکی میں سب سے زیادہ آگے ہے۔ خلیفہ مامون عبدالرشید عباسی کو دیکھئے، اس کے علمی دربار کو پیش نظر رکھئے اور دعویٰ خلافت کو بھی فراموش نہ کیجئے اور کشتۂ حسرت امین الرشید پر ماتم کیجئے۔ حضرت اورنگ زیب عالمگیر کی مشہور پرہیزگاری ان کی مقبول مولویت کو یاد کیجئے اور دارا شکوہ اور دوسرے بھائی بہنوں، باپ کا قتل ستم قید و بند ملاحظہ فرمائیے۔ ایک دو ہوں شاید ہی کوئی اللہ کا بندہ بادشاہ ایسا نظر آئے جس نے صلہ رحم کو قہر کی تلواروں سے ٹکڑے نہ اڑایا ہو۔ دیکھتے دیکھتے بھائیوں کی آنکھیں نہ پھوڑ دی ہوں یا دائم الحبس نہ کردیا ہو۔ یہاں تک کہ **الملک عقیم** کی مثل مشہور ہوگئی۔

اس شورش عام میں کیا سلطان علاء الدین کا یہ کارنامہ قابل مدح نہ ہوگا کہ اس نے اپنے دونوں بھائیوں شہزادہ محمد خاں اور شہزادہ داؤد خاں کو نہ صرف صحیح الاعضاء زندہ رکھا بلکہ ان کو بڑی بڑی جاگیریں بھی عطا کیں اور شہزادہ داؤد خاں کے انتقال کے بعد ان کی جاگیر بھی شاہزادہ محمد خاں کو عطا کردیں۔ شہزادہ محمد خاں کو لوازمات امارت چتر وفیل کیا نہ دیا گیا اور عیش وعشرت کا کوئی سا دروازہ نہ بند رکھا گیا۔

بھائیوں کے بعد ''قدیمان خود را بیفزا'' سے قدر پر عمل کیا گیا اور خان اعظم دلاور خاں غوری وکیل شاہی وخواجہ جہاں استرآبادی وزیر کل وعماد الملک غوری امیر الامرا مقرر ہوئے۔

رایان بیجانگر وسلاطین بہمنیہ سے ہمیشہ ان بن رہی ہے اگرچہ ہمیشہ شکست ہوئی مگر یہ لوگ چین سے نہ بیٹھے اور سرکشی میں کبھی کمی نہ کی۔ سلطان علاء الدین کے عہد میں بھی پنجسالہ خراج باقی تھا آخر شاہزادہ محمد خاں وخواجہ جہاں کے صبا رفتار وشیر شکار گھوڑوں نے راجہ کے علاقے پامال کرنا شروع کئے اور واپسی پر آٹھ لاکھ ہون بیس ہاتھی اور دو سو کنیزیں لے کر پلٹے۔

اس پہلی فتح نے شہزادہ محمد خاں کا حوصلہ بڑھا دیا تھا مگر مفسدوں نے اپنے دام میں پھنسایا، خصوصاً سکندر خاں دختر زادۂ سلطان احمد شاہ بہمنی شہزادہ کو سمجھایا گیا کہ یا نصف سلطنت ملے یا ایک ہی تخت پر دونوں پہلو بہ پہلو متمکن ہوں مگر یہ ارادہ بغیر خواجہ جہاں استرابادی وعماد الملک غوری کی تائید کے لغو تھا، اس لئے ان دونوں سے کہا گیا۔ ان دونوں نے بغاوت کا سبق نہ پڑھا تھا، صاف انکار کیا اور دونوں قتل کئے گئے۔ بغاوت شروع ہوگئی۔ بیجانگر سے حاصل کردہ روپیہ سامان فوج کشی میں صرف ہونے لگا۔

سلطان علاء الدین کو خبر ہوئی قتل عماد الملک نے رُلا دیا، اس کی وفاداری، اس کے وہ خدمات جو خاندانِ بہمنیہ کے استحکام کے لئے عمل میں آئے تھے۔ وہ سر کے سفید بال جنہوں نے اپنی سیاہی آب وفا سے دھوئی تھی یاد آنے لگے بادشاہ نے کہا کہ میں اس قتل پر صبر نہیں کرسکتا میں تو عماد الملک کو بجائے جد و پدر جانتا تھا۔

ہاں کسی غیر ملک کا پھول تم اپنے وطن میں لگاؤ، کچھ نہ کچھ زمین کا اثر پیدا ہوجائے گا مگر جس چمن کا پھول ہوگا اس چمن کی خاصیت تھوڑی چھوڑے گا۔ قدیم الخدمت ہونا ہمیشہ شریف مالکوں کے لئے ہزار رعایت کا باعث رہا ہے۔ حکیم امت امیر المومنینؑ نے حسنینؑ سے فرمایا تھا کہ ابوذرؓ تمہارے چچا ہیں۔ ابوذرؓ سا غریب و مفلس وطن آوارہ دنیا والوں کے نقطہ نظر سے بیکار سوکھا ساکھا لاغر اندام اور پھر سلطنت کا گنہگار خلیفہ وقت کا معتوب۔

اور حسنؑ وحسینؑ سبط پیمبر شاہزادگان عرب سرداران جنت چچا کہیں، یہ سب اس لئے کہ ہمارے اخلاق جاری متبعین تک پہنچیں اور اگرچہ عماد الملک سہی مگر ایک نوکر کو دکن کا سلطان اعظم علاء الدین باپ کہے، اس طرح وہ بنیاد محبت جس پر اسلام کی تعمیر ہوئی تھی مضبوط ہوتی جائے۔

غرض طرفین سے جنگ کی تیاریاں ہوئیں اور یہ ایک گھر کی دونوں دیواریں زلزلہ خیز شور کے ساتھ ٹکرائیں۔ شہزادہ محمد خاں کی فوج بھاگی، شاہی فوج نے تعاقب کے لئے فتح نصیب

گھوڑوں کی لجامیں اٹھادیں،مگر علاء الدین جنگ میں بادشاہ تھا، فتح کے بعد بڑا بھائی بن گیا اور فوج کو تعاقب سے روک لیا۔[1] شہزادہ محمد خاں کو اب سر بصحرائی کے سوا کیا چارہ تھا مگر بڑے بھائی نے خط لکھے اور بلا کر گلے لگایا اور شہزادہ داؤد خاں مرحوم کی جاگیر جنگ کے صلہ میں دے کر معاف کیا۔ اس جنگ میں بہت سے مفسد اسیر ہوئے خود علاء الدین کے بوڑھے چچا بھی پیر دستگیر کہے جانے کے قابل ہوئے مگر رحم و کرم، عفو و احسان، رہائی و معافی،[2] بس ساری سرزنش یہ تھی کہ دربار میں چشم و ابرو سے وار کئے گئے۔ یہ ہیں وہ اخلاق جن پر شیعوں کو ناز ہے۔

• ۸۳۰ھ روز نوروز راجہ سنگیسر کے مقابلہ میں خان اعظم دلاور خاں کو خلعت رخصت عطا ہوا۔ خان اعظم نے اگرچہ فتح حاصل کی اور نقد و جنس کے ساتھ راجہ سنگیسر کی مشہور خوبصورت لڑکی بھی بادشاہ کی خدمت میں پیش ہوئی مگر استیصال کامل نہ ہوا۔ بعد کو سلطان نے اس غیر ضروری رعایت پر خان اعظم کو سزا دی جو صرف اتنی تھی کہ خان اعظم نے انگشتری وکالت واپس کردی اور بادشاہ نے وہ انگشتری لے لی اور دستور الملک خواجہ سرا وکیل شاہی کے عہدہ پر سرفراز کردیا گیا۔

راجہ سنگیسر کی لڑکی اپنے حسن و جمال میں اپنے موسیقی کے کمال میں سارے دکن میں مشہور تھی اس کے حسن عالم سوز کی گرمی سے نبض سطور تاریخ اب تک تپیدہ ہے اور اس کی فلک بوس تانیں ہیں جو آج تک عمارت سیر میں گونج رہی ہیں اس لڑکی کا اسلامی نام 'زیبا چہرہ' رکھا گیا اور منکوحات شاہی میں داخل ہوگئی۔ ملکہ جہاں آغا زینب بنت نصیر خاں فاروقی[3] والی برہان پور واسیر اس تازہ نکاح سے مضطرب ہوئی، چونکہ نصیر خاں اپنا سلسلہ خاندانی حضرت فاروق سے ملایا کرتا تھا اور اس طرح یہ بیگم ایک بڑے گھرانے کی صاحبزادی تھیں اس لئے سوتاپے کی ڈاہ نے بیتاب کردیا اگرچہ یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ عرب میں تو یہ رسم عام تھی اور خود اسی خاندان کی لڑکیوں نے بی بیوں والے مردوں سے مصلحتی نکاح کر کے دوسری عورتوں کو سوتاپے کے غم میں مبتلا کیا ہے۔ مگر پھر بھی باپ سے شکایت کی اور باپ احمد شاہ گجراتی کے بھروسے پر چڑھ دوڑا۔ ادھر وکالت شاہی نے اور ایک کروٹ بدلی۔ میاں دستور الملک اس بڑے عہدے کو لیتے ہی پھول گئے۔ اور تو اور شاہزادوں کو بھی اڑن چھو بتانے لگے۔ آخر شاہزادہ ہمایوں کی سازش سے قتل ہوگئے اور میاں من اللہ دکنی کی قسمت چمکی۔ نصیر خاں فاروقی کی جنگ ظاہراً تو اس لئے تھی کہ سلطان علاء الدین نے سوت لاکر ایک ایسا گناہ کیا جو کسی بادشاہ سے آج تک عالم ظہور میں نہ ہوا تھا لیکن امرائے سلاطین بہمنیہ سے جن الفاظ میں سازش کی گئی تھی، وہ یہ بتاتے ہیں کہ سلطان علاء الدین سے مخالفت کی وجہ مذہبی وجہ تھی اگرچہ فرشتہ نے اس واقعہ کو دبا کر لکھا ہے۔ مگر بعد کے آنے والے واقعات صاف صاف کہہ رہے ہیں کہ امرائے بہمنیہ میں ایک ایسا طبقہ موجود تھا جو شیعہ افراد کے خون کا پیاسا اور وقت کا منتظر تھا چنانچہ جب وقت ملا تو کربلا کے تاریخی ورق ہوائے دکن میں اڑنے لگے۔

میرے خیال میں یہ جنگ اس تعمیر کی نیو تھی اگرچہ کامیابی نہ ہوسکی۔ اس پر بڑی دلیل یہ ہے کہ جن الفاظ پر سلاطین بہمنیہ کو بلایا گیا ہے وہ سیاسی نہیں ہیں مذہبی ہیں چنانچہ آپس میں جو دعوت دی جاتی تھی اس کے الفاظ یہ ہیں:

"نصیر خان فاروقی از اولاد عمر فاروق است اگر نوکری اورا اختیار کردہ با مخالفانِ او شمشیر زنیم شہید وغازی خواہیم بود۔"[4]

---

(۱) طبقات الکبریٰ، ص ۴۱۸ (۲) فرشتہ، ج ا ص ۳۳۰

(۳) نصیر خان فاروقی کو اپنے فاروقی ہونے پر اصرار تھا۔ اگرچہ کوئی سند موجود نہیں مورخ فرشتہ وخواجہ مرزا علی اسفراتی (جو سلاطین فاروقیہ کے معتقد تھے) سے ملاقات ہوئی ہے اور فرشتہ نے دریافت کیا ہے کہ کوئی کتاب شرح حالات خاندانی سلاطین فاروقیہ آپ نے دیکھی ہے۔ خواجہ نے کہا کہ نہیں۔ (فرشتہ، ج ۲ ص ۲۷۷)

(۴) فرشتہ، ج ا ص ۳۳۱

دنیا جانتی ہے کہ شہید و غازی کا لقب انہیں میدانوں میں ملتا ہے جہاں کفار سے مقابلہ ہو، لیکن شیعوں سے جنگ بھی بعد کو غازی و مجاہد شہید بناتی رہی ہے۔ نصیر خاں دو ہزار سواروں سے آگے بڑھا راجہ کوندوارہ کی مدد بھی شامل ہوگئی، امرائے دکن قدوم آل فاروق کے منتظر تھے اور ایسے منتظر کہ خواجہ جہاں سرلشکر برار کو اپنی جان اپنی فوج سے بچانا دشوار ہوگئی، چنانچہ خواجہ بمشکل تمام اس حلقۂ موت سے نکل کر قلعہ ترتالہ میں متحصن ہو گئے۔

سلطان علاء الدین کو خبر ہوئی، مجلس مشاورت معین کی گئی، لیکن جب امرائے ملک خود سلطنت کی خرابی کے درپے ہوں تو کانفرنس و کانگریس سے کیا فائدہ۔ خود بادشاہ نے بوئے نفاق محسوس کی اور مجلس مشاورت ناکام ختم ہوئی۔ حالات کا مطالعہ سب سے بڑا گواہ ہے کہ 'زیبا چہرہ' کا سوتاپا صرف ایک حیلہ تھا، ورنہ امرا کو اس خانگی معاملہ میں دخل دینے کا کیا حق تھا، جب کہ دستور عالم یہی تھا اور پھر علاء الدین کا سن و سال بھی مولانا شوکت علی کے برابر نہ تھا، مولانا تو غیر ملکی بی بی بیاہ لائے اور علاء الدین نے تو ملکی ہی بی بی کی تھی، مذہب اسلام قبول کرا دینے میں دونوں برابر ہے۔ علاء الدین پر نصر خاں فاروقی چڑھ دوڑیں تو درست اور گر مولانا کے باب خلافت سے مسلمان سر ٹکرائیں، تو مولانا صرف یہ کہیں کہ معاملہ پرائیوٹ ہے۔

اُمرائے بہمنیہ تعداد میں کم نہ تھے مگر مقابلے کے لئے ایک بھی راضی نہ ہوا۔ خواجہ جہاں کی امداد کے لئے ایک بھی نہ اٹھا اور اگر کوئی تیار ہوا تو وہی ملک التجار خلف حسن بصری، یہ بھی ایک روشن دلیل ہے کہ امرائے بہمنیہ کو وطنی پاس نہ تھا، وہ مذہبی تنگ خیالی میں مبتلا تھے، ان کو خیال تھا کہ چاہے صوبۂ برار نکل جانے سے سلطنت بہمنیہ کی کمر ٹوٹ جائے مگر تعصب مذہبی میں کمی نہ ہونے پائے۔ یہ بھی یاد رہے کہ بادشاہ شیعہ ہے اس لئے سنی بادشاہ کا مقابلہ نہیں کیا جاتا، ہاں اگر حکومت نصرانی ہوتی اور مقابلے میں خلیفۃ المسلمین بھی ہوتے تو مسلمان عراق حجاز کو چھین لیتے اور خدام کعبہ ترکوں کو ان کی پنج صد سالہ خدمات کا صلہ توپوں بندوقوں کرچوں اور خدا جانے کس کس آلۂ جنگ سے دیتے۔

ملک التجار اگرچہ روانگی پر تیار تھے مگر انہوں نے کچا چٹھا پیش کر دینا ہی مناسب سمجھا اور بادشاہ سے عرض کیا کہ سلطان گجرات کے مقابل میں گذشتہ شکست مہائم (ممبئ) صرف انہیں اصحاب کی بے التفاتی و کمزوری سے ہوئی اب یہ تلخ تجربہ دوبارہ نہیں کیا جاسکتا۔ میرے ساتھ صرف خاصہ خیل اور غیر ملکی فوج بھیجی جائے۔ [1] یہ اصحاب ملک نہیں چاہتے کہ ہمارے ہاتھوں

---

(۱) ملکی و غیر ملکی کا قصہ آج تک دکن میں رائج ہے اور اب یہ اس قدر بڑھ گیا ہے کہ نربدا پار والے غیر ملکی ہیں اور دکنی ہندوستانی نہیں ہیں لیکن ابتداً یہ تعصب ایرانی و ترکستانی وغیرہ کے ساتھ تھا اور سچ تو یہ ہے کہ غیر ملکی و غریب کا لفظ شیعوں کے لئے تراشا گیا تھا۔ اس کے اسباب واضح ہیں حضرات اہلسنت عہد حضرت عثمان سے زمین ہندوستان پر فاتحانہ حیثیت سے آنے لگے اور محمد بن قاسم کے بعد سے جو فاتح آیا وہ کچھ اپنے فوجی اور کچھ نومسلم چھوڑ کر گیا اس طرح حضرات اہلسنت کی آبادی قدیم ٹھہری اور شیعہ جو غیر فاتحانہ حیثیت سے آئے وہ نسبتاً آنے والوں میں جدید تھے اہلسنت حضرات اس عرصہ میں لباس و وضع بھی بدل چکے تھے زبان بھی بدلتی جاتی تھی اور شیعہ ایرانیوں کے عمامہ و دستار میں فارسی بولتے چلے آرہے تھے جن کو ہر اعتبار سے غیر ملکی و غریب ہی کہا جاسکتا تھا اگرچہ یہ صحیح نہیں ہے کہ شیعہ بعد کو پہنچے بلکہ ان کے تجارت پیشہ اشخاص مالا بار میں شاید عہد حضرت عثمان سے بھی پہلے چھاؤنی چھا چکے تھے جو آپ کو مالا بار کی تاریخ شیعہ میں انشاء اللہ ملے گا پھر بھی شمالی ہندوستان میں حضرات اہلسنت کی آبادی دکن کی نسبت سے زیادہ تھی اور شمالی ہندوستان میں بڑے بڑے عہدے اُن سے پُر ہو چکے تھے اور جو دو ایک شیعہ فاتحانہ کی طرح اپنی ذاتی قابلیت سے بڑھ گئے تھے اُن کو تباہ کرنے کی مسلسل کوششیں جاری تھیں اس لئے شیعوں کو شمالی ہندوستان سے زیادہ دکن میں نام و نمود پیدا کرنے کا یقین تھا اسی بنا سے ان کا زیادہ مجمع دکن کی طرف آیا چنانچہ دکن میں آج تک مشہور ہے کہ چند پالکیاں صرف دہلی اور سیکڑوں دکن میں آئیں۔ یہ آنے والے اگرچہ بہ لباس صوفیہ علماء تھے مگر ان میں فیصدی نناوے شیعہ تھے۔ لیکن دکن میں بھی حضرات اہلسنت سے مقابلہ کے بغیر چارہ نہ تھا چونکہ سلطنت بہمنیہ شیعہ ہو چکی تھی اس لئے بلا تقیہ شیعہ کہہ کر نباہ کرنا مشکل تھا اس لئے غریب و غیر ملکی لقب ملا تھا غیر ملکی و غریب میں آپ کو شاذ و نادر ہی حضرات اہلسنت ملیں گے ان میں زیادہ تر تعداد سادات اور کربلائی و نجفی و خراسانی اصحاب کی تھی۔

سے کوئی کارنمایاں ہو۔

بادشاہ نے ملک التجار کی التماس کو قبول کیا اور جو فوج بھیجی گئی ان کے سرداروں کے نام ذیل میں درج ہیں، یہ تمام اصحاب شیعہ تھے: قاسم خاں صف شکن، قرا خان گرد، احمد بیگ یکتہ، علی خان سیستانی، میر علی کافرش، افتخار الملک ہمدانی، رستم خاں مازندرانی، حسین خاں بدخشی وغیرہم۔

امرائے حبش و دکن سے اس ساری جنگ میں صرف اتنا ہی کام لیا گیا کہ ان کو بعض سرحدات کی حفاظت کے لئے بھیج دیا گیا۔ ملک التجار کے ساتھ کل سات ہزار فوج تھی جس نے برار کی طرف کوچ کیا۔ خان جہاں خبر آمد سن کر قلعہ تر نالہ سے نکل آئے اور قصبہ جھکر پر دونوں میں ملاقات ہوئی۔ خاں جہاں نے راجہ کونڈواڑہ کی امداد کا منفذ روکا۔ یعنی ایلچ پور اور مالا پور کے راستوں پر قبضہ کیا اور ملک التجار نصر خاں فاروقی جنگی کیمپ روہنکیر پر جا پڑے۔ جنگ ہوئی مگر بیکار، بعض جانیں گئیں اور مفت۔ نتیجہ حسب قاعدہ قدیم نکلا یعنی نصر خاں فاروقی نے فرار کیا، قسمت سے فرار کا راستا بھی کوہستان ہی ملا تھا جہاں کا بز کوہی خرام ناز میں مشہور ہے۔

ملک التجار نے گھر تک پہنچانے میں کمی نہ کی، آخر برہان پور کی فاروقی راجدھانی لٹی، متمولین سے خرچہ جنگ وصول کیا گیا، شاہی عمارات ڈھا دئے گئے، نصر خاں فاروقی یہاں سے بھاگ کر قلعہ للنک میں پناہ گزیں ہوا، یہاں جب لوٹ سے فرصت ہوئی تو ظاہر تو یہ کیا گیا کہ دکن چل رہے ہیں مگر راستا بھول کر للنک پر آ پہنچے۔ یہاں پھر ایک گھن گرج مقابلہ ہوا اور توپ خانہ، ہاتھی اور دوسرے لوازمات شاہی پر ملک التجار نے قبضہ کیا۔ یہ یاد رہے کہ اس لوٹ میں نہ عورتیں اسیر کی گئیں نہ جوان و پیر و طفل قتل ہوئے اور ان سب کے بعد نصر خاں اور اس کی ریاست کو پھر اسی کے لئے چھوڑا گیا۔ ہاں قلعہ للنک میں باغی امرائے دکن اور برہان پوری ریاست کے بہت سے مفسد سر میدان کام آئے۔

اس فتح عظیم سے غیر ملکیوں کی دھوم پڑ گئی۔ ملک التجار کے استقبال کے لئے شاہی حکم سے شاہزادہ ہمایوں نے منزل بھر آگے بڑھ کر استقبال کیا۔ بادشاہ نے خلعت و شمشیر و کمر مرصع اور بہت کچھ دیا غربا کو جاگیریں ملیں۔ سلطان قلی شاہ جنہوں نے اس جنگ میں گھس گھس کے حملے کئے تھے شرف دامادی سے سرفراز ہوئے۔ (۱) اسی دن سے غیر ملکی دست راست اور ملکی دست چپی مقرر ہوئے اور اہل یمین و شمال کی تقسیم ہوگئی لیکن ساتھ ہی ساتھ عداوت بھی پختہ ہوگئی۔

معلوم ہوتا ہے کہ شیعوں کا یہ جرات نامہ رائے بیجانگر کے دربار میں بھی پڑھا گیا، اس لئے کہ اس زمانے میں راجہ کو مسلمانوں کی جرأت ماننا پڑی اور خود بھی اس نے ایک پوری مسلم فوج اپنے یہاں ملازم رکھی اور تالیف قلب کے لئے راجہ کے دربار میں کلام مجید رکھا جانے لگا تا کہ مسلمان سلام کے وقت کلام معبود کے سامنے سرخم ہوں۔ اس فوج کے تیار ہوجانے کے بعد سلطان علاء الدین سے ایک سخت ٹکر ہوئی جس میں فخر الملک دہلوی اور ان کے بھائی نے کارنمایاں کیا دونوں جوانمرد منہ پر سپریں کھینچ کر لڑتے ہوئے قلعہ میں داخل ہوئے یہاں تک کہ گرفتار ہوگئے اور خان زماں نے شہادت پائی مگر راجہ کو معلوم ہوگیا کہ مسلمانوں کی قوت انسانی قوت ہے، البتہ حق کے ساتھ ہونے سے دوچند ہوجاتی ہے۔ اس جنگ میں بھی شاہی فوج غالب رہی۔

رائے بیجانگر نے ہمیشہ خراج دیتے رہنے اور سلطان علاء الدین نے آئندہ حملہ نہ کرنے کا معاہدہ کیا فخر الملک رہا ہوئے۔ اس فتح کے بعد ہی یکا یک سلطان علاء الدین پر مرض عشرت کا حملہ ہوا اور ایسا سخت کہ صاحب فراش (خانہ نشیں) کر دیا۔ فطرت کا یہ انقلاب اگرچہ حیران کن ہے مگر ہندوستان کی بدبختی کا راز انہیں فقروں میں مستور ہے۔ یہاں ہر وہ بادشاہ جو ذی ہوش و مستعد دیکھا گیا ہے، اس کو مصاحبوں نے اپنے فائدے کے لئے

(۱) فرشتہ، ص ۳۳۱

عشرت میں گرفتار کرادیا۔ سلطان بہمنی کے گرد تو دو مختلف الاغراض گروہ موجود تھے، ایک غرض فتوحات اور کارہائے نمایاں انجام دینے سے وابستہ تھی۔ دوسرا گروہ اس طرح اپنے حریف کا مقابلہ نہ کرسکتا تھا مگر بادشاہ کو اپنے قبضہ میں رکھنا ضروری جانتا تھا، اس لئے دام عشرت پھیلایا گیا۔ درحقیقت غیر ملکیوں کو اس طرح کامل شکست ہوئی اور ان کو سپر انداختہ ہونا پڑا۔

جوع عشرت میں جس قسم کی کورش درکار ہوتی ہے وہ ملکی اصحاب ہی مہیا کرسکتے تھے، غیر ملکی تو اکثر ایسے تھے جو گھر سے فریداً وحیداً پہنچے تھے، بعض نے تو ہندوستان میں ایرانی وعربی خون ملا دیا تھا اور بعض ابتک اس رنگینی سے بھی محفوظ تھے، بھلا ان سے یہ رسد کیونکر مہیا ہوسکتی، لہٰذا بقول فرشتہ بادشاہ کے حول وگرد ملکیوں کا قبضہ ہوگیا، بادشاہ نے گھر سے نکلنا ترک کردیا نعمت آباد میں ایک دلکش باغ بنا جس میں گل اور گلرخ دونوں تھے۔

جب اندر باہر قبضہ ہوگیا تو غیر ملکیوں کو شہر بدر کرنے کی تدبیر سوچی گئی اور بادشاہ کو علاقہ کوکن وسواحل دریا کے فتوحات پر آمادہ کیا گیا۔ اس مہم کے لئے ضرورتاً ملک التجار کا انتخاب ہوا۔ ملک التجار جن پر شوق جہاد غالب تھا قلعہ جالنہ کو مرکز مقرر کرکے گئے اور راجہ سرکہ پر فتح حاصل کرکے اس کو قتل واختیار دین اسلام میں مختار کیا۔ اس نے راجہ سنگیسر کے مسلم نہ ہونے کا عذر پیش کیا اور کہا کہ طعن و تشنیع کے علاوہ بھی آپ کی واپسی کے بعد میرا راج قائم نہ رہ سکے گا پہلے اس پر غلبہ حاصل کرلیجئے ملک التجار نے کہا ملک کے راستے سخت ناہموار اور ناقابل عبور ہیں لیکن سرکہ نے اپنی رہنما وفاداری کی چاشنی دی اور خود راجہ سنگیسر سے خفیہ ساز باز کرلیا۔

غیر ملکی حضرات میں سے بعض نے تو بنی اسرئیل کی طرح یہیں سے ساتھ چھوڑا[1] اور ''اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ لِیْ'' کی عملی تفسیر کردی اور جو ساتھ رہے وہ فوج میں بددلی پھیلاتے رہے۔ راستہ بھی نہ صرف کوہستانی راستہ بلکہ ناہموار اور دشوار گزار ہونے کے علاوہ پیچ در پیچ تھا اور اندرون ملک آب و ہوا خراب ومسموم، غرض سرکہ ایک ایسے موقع تک لے آیا جہاں وادی سرسبز عظیم الشان درختوں سے لبریز اور گرد پہاڑ اور پہاڑوں میں راجہ سنگیسر کے فوجی پوشیدہ تھے۔ درختوں کی کثرت نے خیمہ سے خیمہ کو متصل نہ ہونے دیا اور اندھیری رات نے نگاہوں کے آگے اپنا پہرہ قائم کیا۔ تیز ہوا نے پہاڑ کی چوٹیوں کے نقارے بجانا شروع کئے اور سناٹے نے پہاڑ کے دروں میں قرنا نوازی کی۔ سرکہ غائب ہوا۔ اور دشمنوں نے کمین گاہ سے نکل کر پتھراؤ کردیا۔ لطف یہ ہو کہ ملکیوں کا کوئی نامی آدمی قتل نہ ہوا اور غیر ملکیوں میں چندکس کے سوا کوئی جان نہ بچاسکا۔ پانچ سو سادات نبی حسنؑ کے ساتھ ملک التجار نے جام شہادت نوش کیا ان میں اکثر مدنی وکربلائی ونجفی تھے۔[2]

بنا کردند خوش رسمے بخون خویش غلطیدن
خدا خیری دہد آن کشتگانِ پاک طینت را

مؤرخ فرشتہ بھی اس شکست کو انہیں منافق ملکیوں کی کارگزاری بتاتا ہے اور ہم بھی نہیں سمجھے کہ راجہ سنگیسر کی فوج نے غیر ملکیوں کو اندھیرے میں پہچان پہچان کر کیوں کر قتل کیا۔ جو غیر ملکی بچے ان کو بھی یہی شک تھا۔ چنانچہ ان میں سے بعض لوگوں نے واپسی پر یہ ظاہر کردیا کہ بادشاہ سے اس کی شکایت کرنا ضرور ہے۔ ان کے یہی الفاظ تھے جو ان کے لئے قیامت ہوگئے۔ غیر ملکیوں نے بادشاہ کو یہیں سے عریضہ لکھا کہ غیر ملکی راجایان کوکن سے ساز باز کررہے ہیں اور ان کا ارادہ بغاوت کا ہے۔ خوش قسمتی سے ملکیوں کی جاگیریں قریب تھیں، وہ تو خط نویسی کے فریضہ سے فارغ ہوکر آرام سے گھر جابیٹھے، لیکن بدنصیب غیر ملکیوں کی جاگیریں دور تھیں اور مال واسباب غارت ہوچکا تھا، قرض دام کے بغیر سفر نہ کرسکتے تھے، اس لئے جالنہ میں آئے اور یہاں انتظام سفر کرنے لگے۔ غیر ملکیوں کا خط مشیر الملک کے ہاتھ جن کے لئے فرشتہ نے حسب ذیل جملے لکھے ہیں:-

---

(۱) فرشتہ، ج ا ص ۳۳۵

(۲) فرشتہ، ج ا ص ۳۳۵

مشیرالملک کہ اعدای رد مغلان
بود وقرب ومنزلت بسیار نزد سلطان
داشت دراثنائے مستی عریضہ را بنظر
سلطان درآورد و قصہ کشتہ شدن خلف
حسن بصری وتمرد غریباں رابصورت
قبیح تقریر کرد۔

بادشاہ دماغ ودل نذرشراب کر چکا تھا، پھر بھی انتقائے نائرہ بغاوت پر آمادہ ہوا اور اس مرتبہ سپہ سالاری کے لئے غیر ملکیوں کے سوا دوسرا کون تجویز ہوسکتا تھا۔ چنانچہ مشیر الملک ونظام الملک فوج لے کر چلے۔ پھر فرشتہ کی زبان سے حالات سنئے:-

وآنہا ہمچو عبید اللہ بن زیاد
وشمر ذی الجوشن عداوت آل رسولؐ اللہ
در بر کردہ لشکر بسیار متوجہ آں طرف
شدند۔

غربا اس تعذیری مہم کے آنے سے پہلے تو ہکا بکا ہو گئے پھر وقتی حفاظت کے لئے قلعہ میں جا بیٹھے اور اپنا تفصیلی حال لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیا، جو راستے میں مشیر الملک کو ملا اور اس نے پارہ پارہ کر دیا۔ غرباء نے کچھ روز جواب کا انتظار کر کے اور دو خط لکھے۔ اپنے ہم جنسوں میں سے تو کسی کو بھیج نہ سکتے تھے غیر ملکیوں میں سے ایسے دو شخص نامہ بر مقرر کئے گئے جو غربا کے پروردۂ نعمت تھے مگر یہ دونوں کتےّ کی دم ثابت ہوئے اور خلعت اسپ ومال وروز کے عوض انہوں نے بھی یہ دونوں خط مشیر الملک کے ہاتھ فروخت کر دئے جن کو منجے ہوئے ہاتھوں نے پارہ پارہ کر دیا اور نامہ بری کے لئے جتنے راستے ہو سکتے تھے سب پر پہرہ قائم کر دیا۔ اب انتظام مکمل ہو چکا تھا لہذا جنگ شروع ہوئی جو دو ماہ جاری رہی اور مشیر املک کو ایک روز بھی فتح حاصل نہ ہوسکی۔ مشیر الملک نے جب دیکھا کہ غرباء اس طرح قبضہ میں نہ آئیں گے تو ان کو دھوکا دیا گیا اور خدا اور رسول اور قرآن کریم کے نام پر صلح ہوئی کہ ہم مسلمان ہیں، مسلمانوں سے کیا برائی کریں گے، تمہارا مشرح حال بادشاہ سے کہہ کر بات رفع دفع کر دیں گے۔

صلح کے بعد تین روز ان سب کو آرام سے رکھا گیا۔ چوتھے روز قلعہ میں دعوت کا پرانا حیلہ کیا گیا جس میں قاسم خان صف شکن اور احمد خان یکہ تاز وقرا خاں کے علاوہ سب شریک تھے جن کو کوئی خاص عذر تھا ادھر دسترخوان پر بیٹھے اُدھر چھپے ہوئے بہادر مسلمان نکلے اور مشیر الملک کے اشارے سے خون سادات بہنے لگا اور دم بھر میں ایک باقی نہ رہا۔

دارالامارہ میں تو یہ خونی دعوت ہو رہی تھی اور ادھر چار ہزار مسلح دکنی خبر پر کان لگائے کھڑے تھے چنانچہ خبر انجام دعوت سنتے ہی یہ لوگ اپنا حصہ لینے ٹوٹ پڑے اس کی تفصیل بھی فرشتہ ہی سے سنئے:-

"از طفل یک ساعت تا پیر صد
سالہ ہمہ را شہید کردند چنانچہ یک
ہزار ودو صد سید صحیح النسب وقریب
ہزار مغل وپنج وشش ہزار طفل معصوم
دران روز از دست ظالمانِ دکن از نقد
روح پر داختند وحشرات دکن بعد از
قتل مہاراج مشغول شدہ انواع دست
اندازی بہ زنان ودختران کرد کہ در ہیچ
عہدی بعد از واقعہ جناب امام
حسینؑ چنان مصیبتی بسادات روی
ننمودہ بود زہی بی حیا قومے کہ محض
افترا وتہمت بہ فرزندان پیمبرؐ خود را
باین وضع کشتند وخودرا امت آن
سلطان بارگاہ نبوت دانند۔
زہی تصور باطل زہی خیال محال
(فرشتہ، ج ا ص ۳۳۶)

یہ ہے شیعوں کی ترقی اور اس طرح ان کا مذہب پھیلا۔

پانچ سوسادات بنی حسنؑ کفار نے اور بارہ سوسادات مسلمانوں نے قتل کئے۔ قاسم خاں صف شکن وغیرہ نے اپنی عورتوں کو مردانہ لباس پہنایا اور قصبہ بیر کے راستے پر ہولئے۔ مشیر الملک وغیرہ نے داؤد خاں کے ہمراہ دو ہزار سوار ان کے تعاقب میں روانہ کئے۔ صف شکن نے اس تنہائی ومصیبت میں بھی داد جوانمردی دی یعنی جہاں فوج نزدیک پہنچ گئی مڑ کر لڑے اور آگے بڑھے قصبہ بیر کے قریب راستہ دشمنوں کے قبضہ میں آ گیا اور داؤد خاں نے جاگیردار بیر حسن خان سے مدد طلب کی، غیر ملکیوں کی داستاں بغاوت کہی، مگر حسن خاں نے اس پروپیگنڈے کو جھوٹ جانا اور کہا کہ باغی ہوتے تو سرحد شاہ گجرات میں کیوں نہ چلے جاتے، جو صرف تین روز کا راستہ ہے اور اس طرف کیوں آتے۔

غرض عین جنگ میں حسن خاں اپنی فوج کے ساتھ پہنچا اور غیر ملکیوں نے داؤد خاں کو نشانہ تیر بنایا۔ لڑائی فتح ہوئی۔ قاسم خاں نے بادشاہ کی خدمت میں اور ایک آخری خط لکھا جو بادشاہ تک پہنچ گیا۔ اور بادشاہ نے گھبرا کر قاسم خاں کو بلا لیا۔ معاملہ معلوم ہوا تو بادشاہ کے غیظ وندامت کی حد نہ تھی۔

مصطفیٰ خاں (پیشکار) کو قتل کیا گیا اور لاش پائے فیل میں آویزاں ہوئی (اس نے غربا کے خط روک رکھے تھے) اصل مفتری جس نے پہلا خط بھیجا تھا قتل ہوا۔ مشیر الملک ونظام الملک وامرائے دکن قصبہ جالنہ سے پابہ زنجیر پیادہ پا احمد نگر لائے گئے املاک ضبط ہوئی، پیسے پیسے کو محتاج ہو گئے، دونوں برص میں مبتلا ہوئے۔ فرشتہ نے لکھا ہے:

" پسران ایشاں بجای زنانِ
بازاری می گشتند فکیف دختران
ایشاں"

بادشاہ نے بھی سزا پائی۔ شراب وعشرت دونوں کو چھوڑا اور امور سلطنت میں بذات خاص منہمک رہنے لگا۔ مجھے یقین ہے کہ خوش فکر حضرات سلطان علاء الدین کو قتل سادات کا بانی ثابت کریں گے اور عجب نہیں کہ یزید ثابت کر دیں جیسا کہ وہ خود کہا کرتا تھا کہ خدا ان کو عذاب جہنم سے محفوظ نہ رکھے جنہوں نے مجھے یزید کی طرح بدنام کرنا چاہا۔[1] لیکن علاء الدین کی غفلت، اس کی عشرت شراب نوشی یہ سب یقینا لائق سرزنش تھے اگرچہ یہ سب بھی سنت سلاطین اسلام ہے پھر بھی یزید وعلاء الدین میں کوئی ربط نہیں۔ پہلے نے حکم قتل حسینؑ دیا تھا اور دوسرے کو ذبح سادات کی خبر بھی نہ تھی اور جب خبر ہوئی تو اس نے قاتلوں سے انتقام میں کمی نہیں کی اور بقیۃ السیف کی تسلی وتشفی کی۔ چنانچہ قاسم صف شکن کو سرلشکر دولت آباد واحمد یکہ تاز وغیرہ کو مناصب یکہزاری عطا کئے گئے پھر بھی وہ اپنی غفلت سے نادم تھا۔

علاء الدین جمعہ میں خطبہ پڑھتا تھا اور ان الفاظ کے ساتھ اپنا نام لیتا تھا: "اَلسُّلْطَانُ الْعَادِلُ الْکَرِیْمُ الْحَلِیْمُ الرَّؤُفُ عَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الْغَنِیِّ عَلَائِ الدِّینِ وَ آلِہٖ بِبِنَائِ عَلاء الدِّیْنِ اِبْنِ اَعْظَمِ الشَّھَانِ سُلْطَانُ اَحْمَدُ شَاہِ بَھْمَنِی۔" ایک جمعہ میں بادشاہ یہاں تک پہنچا تھا کہ ایک عرب اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے کہا: "لَا وَاللّٰہِ لَا عَادِلُ وَلَا کَرِیْمُ وَلَا حَلِیْمُ وَلَا رَؤُفُ اَیُّھَا الظَّالِمُ الْکَذَّابُ تَقْتُلُ الذُّرِّیَّۃَ الطَّاھِرَۃَ وَتَتَکَلَّمُ بِھٰذِہِ الْکَلِمَاتِ عَلٰی مَنَابِرِ الْمُسْلِمِیْنَ" "خدا کی قسم نہ تو عادل وکریم ہے نہ حلیم ورؤف او جھوٹے، ظالم، اولاد طاہر (رسولؐ) کو قتل کرتا ہے اور منابر اہل سلام پر ایسی ایسی باتیں بناتا ہے" بادشاہ یہ سن کر منبر سے روتا ہوا اترا اور پھر اس کا جنازہ ہی گھر سے باہر نکلا۔ مورخ فرشتہ نے لکھا ہے کہ یہ ایک عرب تاجر تھا جس کی کچھ قیمت باقی تھی مگر روپیوں کے لئے نہ تو تاجر کو یہ جرأت ہو سکتی تھی اور نہ اس تقاضہ کو مسلمانوں کا مجمع سن سکتا تھا؟ نہ علاء الدین نادہند مشہور ہے، نہ کوئی واقعہ اس کی شہادت میں موجود ہے۔ یہ سب تو صرف مذہبی جوش ہی سے ہو سکتا ہے۔

علامۂ ہروی نے بھی اس واقعہ کو نقل کرتے ہوئے بقایا رقم کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

---

(۱) فرشتہ، ص ۳۳۵

میں اس واقعہ سے جس نتیجہ پر پہنچتا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ واقعہ قاسم صف شکن کے بلائے جانے سے پہلے کا ہے جس کو غلطی سے بعد از وقت لکھا گیا ہے، اس لئے کہ جب وہ خط جن کے پہنچ جانے سے ملکیوں کا اس سے زیادہ نقصان متصور نہ تھا کہ ان کے حریف ان کے مقابل رہتے بادشاہ تک نہ پہنچنے دے تو قاسم خاں کا یہ خط کیوں کر پہنچا ہوگا؟ کسی مؤرخ نے اس خط کے پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہیں بتایا۔ پھر مشیر الملک اگر جالنہ میں تھے تو میاں من اللہ دکنی اور مصطفیٰ خاں تو دارالسلطنت ہی میں تھے اور اس خط کے پیش کرنے والے ان نتائج سے بھی بے خبر نہیں ہو سکتے جو قتل سادات کے افشائے راز کے بعد لازم تھے۔ میرا خیال ہے ڈاک پر پہرہ نہیں اٹھا تھا، البتہ عام مجمع میں ایک شخص آ بیٹھا اور واقعہ بیان کرنے لگا جس کو کوئی نہ روک سکا۔ یہ بالکل ممکن ہے اور اسی طرح یہ حال کھلا۔ آج ہی پر منحصر نہیں، منبر کے نیچے بولنے والے تو جامع مسجد کوفہ میں ابن زیاد کے سامنے بھی بولے اور کوئی کچھ نہ کر سکا۔ رہی خانہ نشینی وہ اس زخم ساق پا کی وجہ سے دوبارہ واقع ہوئی جس کو فرشتہ نے بھی مرض الموت کا باعث بتایا ہے۔ اس خانہ نشینی کے بعد بھی جلال خاں و سکندر خاں نے بغاوت کی مگر خواجہ محمود گاوان نے شکست دی اور بادشاہ نے معافی عطا کی، خواجہ کو ایک ہزاری منصب ملا۔ ۸۶۲ھ میں سلطاء علاء الدین نے زخم ساق پا سے انتقال کیا۔ ۲۳ سال اور چند ماہ حکومت کی۔ سلطان علاء الدین فارسی کا ماہر اور تقریر میں فصیح و بلیغ تھا۔ عربی علوم کچھ نہ کچھ حاصل کئے تھے۔ احمد آباد میں ایک عظیم الشان شفاخانہ تیار کرایا جس کے خرچ کے لئے بہت سے مواضع وقف تھے۔

باپ کے انتقال کے بعد ولی عہد سلطنت کو حسب قاعدہ تخت نشیں ہونا چاہئے تھا۔ مگر ہمایوں شاہ کو خبر بھی نہ ہوئی اور سیف خاں و ملو خاں نے شاہ حبیب اللہ بن شاہ خلیل اللہ وغیرہم کی سازش سے حسن خاں (ہمایوں کے چھوٹے بھائی) کو تخت نشیں کر دیا اور نہ صرف تخت نشیں بلکہ ہمایوں شاہ کے مکان کو آگ لگا دینے اور غارت کر دینے کی بھی ٹھان لی۔ ایک بدمعاش گروہ جا پہنچا جن کا اچانک مقابلہ ہمایوں شاہ نے سکندر خاں وغیرہ کی مدد سے اسی سواروں کے ساتھ کیا اور ان کو ہزیمت دے کر دربار میں جا پہنچا اور حسن کو جو خوف سے تھر تھرا رہا تھا تخت سے اتار کر قید کر دیا۔ حسن خاں کے ساتھ شاہ حبیب اللہ نظیری[1] شاعر بھی قید ہوئے۔ ملو خاں سرحد کرناٹک کی طرف نکل گیا اور سیف خاں کو پائے فیل میں بندھوا دیا گیا۔

شاید یہی پہلا ظلم ہے جس کی وجہ سے ہمایوں شاہ کو ظالم کا تاریخی لقب دیا گیا ہو جس کی آج اس قدر شہرت ہے کہ کسی تاریخ میں ہمایوں کا نام اس لقب کے بغیر نظر نہیں آتا۔

ہمایوں شاہ کی مدت سلطنت صرف تین سال ہے۔ اس مدت میں اس کے کارنامے بھی زیادہ نہیں ہیں اور حقیقت تو یہ ہے کہ بغاوت سے اس کو فرصت ہی نہ ہوئی اور آخر اسی بغاوت نے اس کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے کارناموں میں پہلا کام یہ ہے کہ اس نے وزارت کے لئے خواجہ نجم الدین محمود گاواں کا انتخاب کیا جو نہ صرف سلاطین دکن و ہند بلکہ نظام الملک طوسی کے بعد وزراء اسلام میں دوسرا نمبر رکھتے ہیں۔ اس کو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ہمایوں کا قرعہ فال تھا بلکہ اس کی قوت انتخاب واضح ہے۔ اس نے ایک عرصہ تک فکر مندی کے بعد یہ رائے قائم کی اور یہی رائے کیا، اس کی ہر تدبیر موافق تقدیر ہوتی تھی جیسا کہ صاحب 'طبقات اکبری' نے لکھا ہے۔

در اصابت رای شما به بود که ہر
تدبیرے که تعلیم فکر برلوح ضمیر
نگاشتی موافق صورت تقدیر بودی
وچوں برسریر جهانبانی قرار گرفت
ہمگی ہمت بر نصب وزیر کامل وفاضل
مصروف داشت ومیفر مود که ارتفاع بر
مدارج قهرمانی ومعارج

(۱) طبقات اکبری قلمی موجودہ کتب خانہ رامپور

جہاں‌بانی به اعانت و امداد وزیریکه
عمارت ممالک وترفیه حال رعایا از
نتائج آرای او وتکثیرمحصولات
وتنسیق سپاه از ثمرات افکار اوست
میسرنمی‌شود۔

جس طرح اس نے خواجہ محمود کے انتخاب میں قوت صحت فکری کا نمونہ پیش کیا اسی طرح سکندر خاں کو ذمہ دار اعلیٰ عہدہ سے محروم رکھنا اس کی اصابت رائے کا نقش ثانی ہے اگر چہ سکندر خاں اس کا قرابت دار اور حسن خاں کے مقابل میں واحد طرفدار و مصاحب تھا۔

اس نے خواجہ محمود کو لقب ملک التجار دے کر طرفدار بیجاپور وملک شاہ مغل کو لقب خواجہ جہاں دے کر طرفدار تلنگ و برادر زادہ عماد الملک غوری کو لقب نظام الملک ومنصب ہزاری دے کر بنیادی کاموں سے فرصت پائی تو سکندر خاں اپنی محرومی کے بہانے سے بھاگ کر اپنے باپ جلال خان کے پاس جاگیر تلکنڈہ پر پہنچا اور بغاوت شروع کردی یہانتک کہ ہمایوں شاہ کو خود جانا پڑا اور جب انتظار کے بعد بھی سکندر خاں کی طرف سے پیغام صلح نہ آیا تو ہمایوں شاہ نے خود پیغام دیا اور جاں بخشی کے ساتھ دولت آباد کی طرفداری کا بھی وعدہ کیا مگر سکندر خاں نے کہا کہ ملک نصف نصف ہونا چاہئے اگر تم احمد شاہ کے فرزند ہو تو میں ان کا دختر زادہ ہوں۔

سکندر خاں کا جواب اس کی دبی امنگ کا مظہر ہے وہ کسی ذمہ دار عہدہ پر ہوتا تو خدا جانے خاندان بہمنیہ کے ساتھ کیا کرتا اسی مقام پر دیکھ لینا چاہئے کہ وہ ہمایوں شاہ جو تاریخی ظالم ہے وہ انتخاب وزرات میں رفاہ عام رعایا اور ان کی ترقی کا خواہاں ہے اور سکندر خان کے مقابل میں نمک حرامی کو بھول کر صلح کا خواہاں ہے۔ اور صلح بھی ایسی صلح جس میں رحم وکرم دونوں نمایاں ہیں۔ ہمایوں شاہ کا تہور مردانگی وسخاوت میں بھی کافی حصہ[1] تھا۔ یہ بھی تعجب ہے کہ سخاوت وظلم یکجا نہیں ہوتے۔ اس پیغام رحیمانہ کا الٹا اثر یہ ہوتا ہے کہ عین معرکہ جنگ میں سکندر خاں خود ہمایوں شاہ پر نیزہ بدست حملہ کرتا ہے اور فیل شاہی اپنی نمک حلالی کے جوہر دکھا کر نمک حرام انسان کا خاتمہ کر دیتا ہے۔ لڑائی تمام ہوتی ہے اور جلال خاں پدر سکندر خاں قلعہ بند ہوجاتا ہے لیکن جب عجز وانکسار کا اظہار کرتا ہے تو جاں بخشی کی جاتی ہے اور صرف قید پر اکتفا ہوتی ہے خدا جانے ابتک وہ کونسا ظلم ہے جس بنا پر ہمایوں شاہ ظالم کے لقب کا مستحق ہوتا ہے۔

اس جنگ کے بعد بادشاہ فتح ممالک کا ارادہ کرتا ہے، وہ بھی سزا کے طور پر، نہ جوع ارضی کے لئے۔ قلعہ دیوا کندہ پر شاہی فوج خواجہ جہاں ترک و نظام الملک کی سرکردگی میں بھیجی جاتی ہے، اس لئے کہ راجہ دیوکند، اس بغاوت میں شریک تھا۔ پہاڑی قلعہ محصور ہوجاتا ہے۔ اتنے میں رائے اڑیسہ کی فوج کی آمد آمد ہوتی ہے۔ نظام الملک کی رائے ہوتی ہے کہ قلعہ کا محاصرہ ترک کر کے کھلے میدان میں جنگ ہو۔ خواجہ جہاں کا خیال ہوتا ہے کہ دشمنوں کی نگاہ میں سب کی نہ ہو، غرض خواجہ جہاں کی غلط رائے پر عمل ہوتا ہے۔ ایک طرف سے رائے اڑیسہ کی فوج دوسری طرف سے قلعہ بند کفار کا حملہ ہوتا ہے اور ہزاروں مسلمان کھیت رہتے ہیں بقیۃ السیف و رنگل میں جب پہنچتے ہیں اور بادشاہ کو اہل اسلام کی تباہی کی خبر ملتی ہے اور اس کو غصہ آتا ہے تو خواجہ جہاں اپنی جان بچانے کے لئے اس ہزیمت کا سبب نظام الملک کو قرار دیتے ہیں اور نظام الملک فراری ہو کر سلطان محمود خلجی سے جا ملتا ہے۔

ہمایوں شاہ کی کفار سے یہ پہلی جنگ تھی جس میں ہزیمت کے سوا مسلمان ہزاروں کی تعداد میں قتل ہوئے تھے۔ اس کی غیرت اسلامی کا تقاضہ تھا کہ وہ انتقام خون اہل اسلام لے۔ ابھی وہ اسی فکر میں تھا کہ دار الخلافت بیدر سے خبر پہنچتی ہے کہ پیری مریدی والوں نے شہر میں آفت برپا کردی اور قید خانہ کا دروازہ کھول دیا، سیاسی وغیر سیاسی تمام قیدی آزاد ہوگئے اور کوتوال شہر

(۱) طبقات اکبری قلمی ۱۲

جو ذمہ دار تھا اپنے فرائض میں غافل پایا گیا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ یوسف ترک کچل غلام اور بعض مریدان شاہ حبیب اللہ نے کوتوال اور پیادوں کو ملا کر شاہ حبیب اللہ ہی کو نہیں بلکہ سارے قیدیوں کو جن میں حسن خاں مدعی سلطنت بھی شریک تھا رہا کر دیا اور یہ تمام قیدی متفرق طور سے فرار نہیں ہوئے بلکہ قصبۂ بیر میں یکجا مقیم ہیں۔ ان کا ارادہ پہلے قلعہ ارک اور بعد کو فتح بیر کا تھا یہاں تک کہ شاہی عہدے بھی تقسیم ہو چکے تھے اور تارک الدنیا شاہ حبیب اللہ وزیر کل اور یوسف ترک مرید امیر الامرا بن چکے تھے۔[1] ہمایوں شاہ اس خبر کو معلوم کر کے یہاں کا انتظام وزیروں کے سپرد کر کے دیوانہ وار دار الخلافت میں پہنچا۔

اور اس ساری فوج کو جو قید خانہ کی محافظ تھی قتل کرا دیا اور جب حسن وغیرہ گرفتار ہو کر آئے تو ان سب کو عذاب الیم سے قتل کیا۔ بعض کو درندوں کے آگے ڈال دیا اور بعض کو کھولتے تیل میں جلا ڈالا اور ان کے اعزا و اقربا اور عورتوں کو بھی قبیح حال سے قتل کیا۔

ہماری تاریخ نویسی اس لئے ایسی نہیں ہے کہ ہم دن کو رات کر دیں اور زبردستی حمایت کریں۔ ہم بالا علان کہتے ہیں کہ یہ آخری سزائیں نہایت سخت تھیں لیکن آج اس عہد روشن میں سازش کرنے والوں کی کیا سزا ہے اور قید خانہ ٹوٹ جانے پر گولی چلا دینے کا حکم ہے یا نہیں اور فوج کی سازش میں کورٹ مارشل جائز اور گولی سے اڑا دینے کی سزا عام ہے یا نہیں۔ اگر یہ سب کچھ جائز ہے تو باغی فوج اور سازشی عہدہ داروں کا قتل ہمایوں شاہ کے لئے کیوں تعجب خیز و ظلم انگیز سمجھا گیا۔ برادر کشی ایک عظیم لعنت ہے لیکن کیا یہ پہلی بات ہے اور سنت تاجداران اسلام نہیں ہے۔

ہمایوں شاہ اس ظلم پر ظالم کا لقب پائے اور اسی ظلم پر دوسرے تاجدار مولوی کا لقب حاصل کریں، اس کو کیا کہتے ہیں۔ شاہ حبیب اللہ لڑائی کے وقت لڑتے رہے تھے یہانتک کہ

(۱) فرشتہ، ج ۱ ص ۱۴۴۱

قتل ہو گئے۔ حقیقتاً یہی قتل تھا جس نے مریدان شاہ صاحب کو ہمایوں شاہ کے اظہار ظلم میں یک زباں کر دیا اور مختلف روایات بیان ہونے لگیں، جن میں راستے سے عروس اہل شہر کو طلب کر لینا تک ہے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ جب ہمایوں شاہ مشہور عیاش ہے، نہ اس کی عیش پرستی کا تاریخوں میں ذکر ہے، نہ اس کی مختصر حیات اس افکار آلود زندگی میں عیاشی کے لئے موزوں ہی ہو سکتی ہے، پھر یہ طومار ظلم کہاں سے پیدا کیا گیا؟ اس کے سوا ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ یہ سب تراش خراش فقط مریدان خوش عقیدہ کا جذبۂ انتقام ہے۔ لطف یہ کہ تاریخ قتل حبیب اللہ شاہ جو سید طاہر استر آبادی نے کہی ہے اس میں بھی تذکرہ ظلم و مظلومی دونوں نہیں ہے۔

مہ شعبان شہادت یافت دربند
حبیب اللہ غازی طَابَ مَثْوَاہُ
روان طاہرش تاریخ می جست
برآمد روح پاک نعمت اللہ
۴ ۲ ۸ ۵

مریدان شاہ صاحب کا جذبۂ انتقام نہ صرف زبانی رہا بلکہ معلوم ہوتا ہے اور ایک خفیہ سازش ہوئی جس میں ہمایوں شاہ کا خاتمہ ہو گیا۔ اپنے بستر پر محو آرام تھا کہ ایک حبشن نے سوتے میں عصا سے سر کچل دیا اور ہمایوں شاہ نے ذیقعدہ ۸۶۵ھ میں انتقال فرمایا۔ اس قدر اور بھی سن لیجئے بقول آنریبل ڈاکٹر ہنٹر صاحب سلاطین بہمنیہ کی فوج میں دو فرقے تھے جو آپس میں رقیب تھے۔ ایک وہ جس میں دکنی مسلمان و حبشی تھے، یہ حنفی المذہب تھے اور دوسرے جو ایران و ترکستان و وسط ایشیاء سے آئے تھے، وہ شیعہ تھے۔[2] ہمایوں شاہ کا جس نے خاتمہ کیا وہ عورت حبشن تھی۔

نظام شاہ بن ہمایوں شاہ

آٹھ برس کے سن میں یہ خوبصورت یتیم بچہ تخت فیروزہ کا مالک ہوا۔ ہمایوں شاہ نے تین فرزند چھوڑے تھے۔ نظام شاہ کا

(۲) تاریخ ہند آنریبل ڈاکٹر ہنٹر صاحب، مطبوعہ گورنمنٹ پریس، الہ آباد حصہ دوئم صفحہ ۳۶

سن سب سے زیادہ تھا۔ ملکہ جہاں مادر نظام شاہ ایک عفیفہ بافہم عورت تھی اور یہی ناظمہ سلطنت تھی۔ اس نے شوہر کے انتخاب سے فائدہ اٹھایا اور خواجہ جہاں ترک وخواجہ محمود گاوان پر اعتماد کیا۔ خود بھی مشوروں میں شریک تھی مگر اپنی پردہ نشینی کا اتنا احترام تھا کہ یہ سب کچھ براہ راست نہ ہوتا تھا بلکہ ماہ بانو خواص درمیان میں تھی۔ نظام شاہ کی کمسنی سب سے بڑی مصیبت تھی جس کو یہ خیر خواہ جھیل رہے تھے۔ راجہ اڑیسہ اس خبر کو سن کر سلطنت اسلام کو باجگزار بنانے چڑھ دوڑا۔ خواجہ گاوان نے نظام شاہ کی کمسنی کا خیال نہ کیا اور اسی بچہ کو اس دھوم دھام سے میدان جنگ میں لائے کہ سلاطین ماضیہ کے جلوس [1] نگاہوں سے گر گئے۔

اس جنگ میں جس میں دس ہزار کفار صرف مقدمۃ الجیش میں تھے۔ شاہ محب اللہ بن شاہ خلیل اللہ کا کارنامہ تاریخ میں ہمیشہ تاباں رہے گا۔ یہ شاہ حبیب اللہ کے چھوٹے بھائی تھے مگر وفا ودرد اسلام میں کہیں بڑے تھے۔ ایک سو ساٹھ آدمیوں سے دس ہزار پر گرے، اور صبح سے دو پہر تک جنگ کر کے ہزیمت دی، یہاں تک کہ جو خراج لینے آئے تھے (رائے اڑیسہ) وہ پانچ لاکھ تنگہ نقرہ خراج دے کر واپس گئے اس لئے کہ خواجہ محمود گاوان فراریوں کا تعاقب کرتے چلے آتے تھے۔

کفار کے بعد حریص وطامع مسلمانوں کی باری آئی۔ سلطان محمود خلجی نے حملہ کر دیا۔ سلطان کے اس حملہ نے ہندو راجاؤں کو دوبارہ ابھارا اور رائے اڑیسہ وغیرہ نے اپنی سرحدوں سے قدم بڑھائے۔ ارکان دولت بہمنیہ کے لئے وقت نازک تھا مگر انہوں نے ہمت سے کام لیا۔ اپنی فوج کو دو حصوں پر تقسیم کیا لشکر تلنگ ہندووں کے مقابلے کے لئے اور لشکر دولت آباد وغیرہ کو لے کر خود مسلمانوں سے معانقہ کے لئے آ گئے۔ سلطان خلجی کا لشکر ۲۸ ہزار کی تعداد میں تھا۔ چھوٹا کمسن شیعہ سپاہی اور باایمان بادشاہ پریشان نہ ہوا۔ اس نے میدان جنگ کو بازیچۂ اطفال سمجھا اور دوش پر مرصع کمان، پہلو میں منبت ترکش، کمر میں نیمچۂ اصفہانی لگا کر آ گیا اور سپاہی کی حیثیت سے نہیں بلکہ سپہ سالار کی حیثیت سے، غافل سپہ سالار، مجہول سردار کی طرح نہیں، 'فرائض سے آگاہ، وقت کی نزاکت سے باخبر قائد کے مانند۔ فرشتہ گواہ ہے کہ اس نے آپ اپنی فوج کو آراستہ کیا آپ نقشۂ جنگ بنایا۔ [2]

دس ہزار سواروں سے خواجہ محمود گاوان کو میمنہ سونپا، نظام الملک ترک کو میسرہ حوالے کیا گیا گیارہ ہزار [3] سوار اور سو سلسلہ فیل کے ساتھ خود قلب فوج میں ٹھہرا اور یہاں کا انتظام خواجہ جہاں ترک وسکندر خاں کے اختیار میں دیا۔

یہ ہے ہمارا ایک غیر تعلیم یافتہ جاہل تاریک خیال قدامت پرست چھوٹا سا سپاہی۔ غالباً موجودہ عہد روشن کے تعلیم یافتہ جرأت وجلالت میں، دشمن کشی میں، وقار قومی کی حفاظت میں اس بچہ سے زیادہ ہیں۔ تلوار کی جگہ ان کے پاس ٹینس کی تھاپی ہے، ان کا میدان حوصلہ افزا کرکٹ کی فیلڈ، ان کی نقشہ دانی کرکٹ کے وکٹ گاڑنے پر منحصر ہے۔

نظام شاہ غیر تعلیم یافتہ جاہل تھا، بچہ تھا۔ اس کی ساری باتیں ہی جہالت آمیز تھیں۔ قدرت وفطرت نے اگرچہ ابتک کرزن فیشن کا حامی بنا رکھا تھا مگر نہ سر پر انگلش بال، نہ یورپین ویسلین وکریم، نہ امریکن غازہ، نہ گلے میں ٹائی، نہ رانوں میں نیکر، نہ جیب میں سنہری سگریٹ کیس، سامان صحت وشرافت سے بالکل عاری، اسباب جہالت میں سراپا غرق ہے۔ وہی عہد حجر کے یادگار تیر، وہی عہد آہن کی بوسیدہ تلوار، وہی قدیم نامردانہ سپاہگری۔ بھلا آج کل کی شجاعت وزور آزمائی سے کیا نسبت؟ بہادر تو وہ ہے جو الگ الگ زہریلی گیس کے بم برسا کر جس دم کر دے اور خیریت سے گھر چلا آئے۔ زور آزما تو وہ ہے جو برقی روشمسی شعاع قاتل سے دنیا کو صاف کر دے اور دشمن کی صورت تک نہ دیکھے۔ نظام شاہ سے زیادہ ان تجربہ کار سپاہیوں کی غلطی قابل

(۱) فرشتہ، ج ۱ ص ۳۴۳

(۲) تاریخ فرشتہ، ج ۱ ص ۳۴۳ (۳) طبقات اکبری قلمی

گرفت ہے جو آج تک تاریخ میں بے نظیر سپاہی مانے جاتے ہیں جیسے خواجہ محمود گاوان، جیسے خواجہ جہاں ترک۔ انہوں نے نقشہ جنگ کی بنیاد ایک ناسمجھ بچہ کو کیوں سپرد کردی؟ نہ نظام شاہ نے کسی فوجی کالج میں تعلیم پائی تھی، نہ غیر ملکی شہسواروں سے نشانہ بازی سیکھی تھی، نہ یورپ کے میدانوں میں فرس رانی کی مشق کی تھی۔ بھلا فوجی رینک تو کہاں، خاں بہادری کا تمغہ تک سینہ پر نہ تھا، مگران بوڑھوں کا صرف ایک ہی جواب تھا کہ شیروں کے بچے شیر ہی ہوتے ہیں۔

نظام شاہ کے لشکر کی قواعد دانی اور نقشہ جنگ پر بھی ایک نظر کرنا چاہئے۔ سلطان محمود خلجی کی فوج کل اٹھائیس ہزار تھی جو میمنہ ومیسرہ وغیرہ پر تقسیم تھی۔ [1] سلطان محمود کا مشہور بہادر فرزند غیاث الدین جو میدان جنگ میں تنہا پانچ سو آدمیوں کا مقابل ہوسکتا تھا میمنہ [2] پر تھا۔ مہابت خاں وظہیر الملک حاکم چندیری میسرہ پر اور خود سلطان محمود قلب فوج میں تھا۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ کچھ فوج کمیں گاہ میں بھی تھی جس کی تعداد ان اٹھائیس ہزار سے جداگانہ تھی۔ فوج کی آراستگی کو شیخ اذری نے بہمن نامہ میں نظم کیا ہے:-

دولشکر زمندو دگرا ز دکن
دو حسرو یکی طفل ودیگر کہن
بجنبش در آمد بمیدان دوکوہ
زمین از تگا پوی شان شد ستوہ

نقارۂ جنگ بجنے سے پہلے خواجہ محمود گاوان کو جوش جرأت پیدا ہوا اور انہوں نے اپنا مقابل میمنہ دشمن چھوڑ کر میسرہ پر حملہ کیا اور نظام الملک نے اپنے مقابل کا میسرہ چھوڑ کر دشمن کے میمنہ پر حملہ کیا گو خط رفتار متقاطع تھا۔ سواروں نے حملہ کیا تھا اور حملہ کہو، یا دھاوا اور اٹیک مگر بہر طور گھوڑوں کی رفتار پوری تیز ہونا چاہئے جس کو گیلپ کہتے ہیں اگر نظام شاہ کی فوج پوری قواعد داں نہ تھی تو میمنہ ومیسرہ کے ۲۰ ہزار سواروں کو نقطہ تقاطع پر آپس میں خود لڑ جانا چاہئے تھا مگر ہم کو کہیں نظر نہیں آتا کہ ایک سپاہی اور ایک سوار بھی گر گیا ہو۔

نقشۂ جنگ کی یہ خوبی بھی قابل فراموشی نہیں ہے، کہ میمنہ کا حملہ دشمن کے میمنہ والوں کو جس طرح مخاطب کئے ہوئے تھا اسی طرح میسرہ والے بے خبر ہوں گے مگر یکا یک میمنہ چھوڑ کر میسرہ پر حملہ ہوگیا، اسی طرح میمنہ والوں پر بھی یکا یک دھاوا کیا گیا۔ اس نقشہ جنگ نے فوج کو کامیاب کیا اور بہمنیوں نے کئی میل خلجیوں کو بھگا کر پڑاؤ پر قبضہ کیا اور پچاس ہاتھی چھین لئے مگر یہ سب لوٹ میں مصروف ہو گئے۔

نظام شاہ نے اب اپنی فوج کو متحرک کرنا چاہا جو بالکل صحیح رائے تھی مگر بقول فرشتہ خواجہ جہاں نے سکندر خاں کو بادشاہ کی حفاظت کے لئے چھوڑا اور آپ حملہ کیا۔ ہاں نمک حلالی یہی چاہتی تھی۔ کمسن بادشاہ کی حفاظت ضروری تھی۔ سلطان محمود خلجی پر ہول چھا گیا تھا۔ وہ سندھ واپس جانے پر آمادہ تھا مگر کچھ ساتھیوں نے روکا۔ یہاں فرشتہ کی تقریر الجھ جاتی ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ سلطان محمود کے ایک تیر سے سکندر خاں کا ہاتھی زخمی ہوکر اپنی فوج کو پامال کرنے لگا اور سکندر خاں نے ہاتھی کو قابو میں کر کے بادشاہ کو میدان جنگ سے دور ہٹا دیا جس کو بہمنی غارتگر فوج نے شکست سمجھا اور خود بھی بھاگ گئی اور فتح کو شکست ہوئی مگر اس بیان پر ایمان لانا دشوار ہے جب کہ ابھی تک میمنہ کی فوج چڑھی ہوئی لڑ رہی تھی اور میدان جنگ وسکندر خاں سے جو بادشاہ کے ہمراہ تھا کئی تیر کا پلہ تھا۔

یہاں 'طبقات اکبری' کا بیان صحیح ہے، جس نے کہا ہے کہ عین اس عالم میں سلطان محمود نظام شاہ کی پشت سے بارہ ہزار کی جمعیت سے ظاہر ہوا یقیناً یہ فوج کمیں گاہ میں مقابل فوج کے علاوہ ہوگی جس نے پھیر کا راستا اسی عرصہ میں طے کیا ہوگا جس میں میمنہ ومیسرہ کا حملہ ہوا اور اب دو فوجوں کے درمیان میں میمنہ فوج کو پس جانے کے سوا کوئی راستا نہ تھا اور یہی بہتر تھا کہ بادشاہ کو بچایا جائے۔ چنانچہ خواجہ جہاں ترک بادشاہ کے گھوڑے کی لجام تھام کر لے نکلے اگر چہ فرشتہ نے بیان کیا ہے کہ سکندر خاں بادشاہ

---

(۱) طبقات اکبری قلمی (۲) فرشتہ، ج ا ص ۳۴۳

کو لے گیا اور اس نے ملکہ جہاں سے خواجہ جہاں ترک کی غیبت کی اور گویا یہ سمجھایا کہ میں نہ ہوتا تو خواجہ نے نظام شاہ کو قتل کرا دیا ہوتا۔ اس صلہ میں اس نے انعام پایا اور خواجہ جہاں ملکہ جہاں کی نگاہ سے گر گئے مگر اس تمام واقعے کو افسانہ ہی سمجھنا چاہئے۔ صاحب 'طبقات اکبری' نے اس طرف اشارہ بھی نہیں کیا ہے، نہ ملکہ جہاں کی دانش سے یہ امید ہوسکتی ہے اور اگر ایسا ہوتا تو نظام شاہ کے بعد خواجہ جہاں کو مزید عروج حاصل نہ ہوتا۔

نظام شاہ کی یہ شکست سلطان محمود کے لئے حوصلہ افزا ہوئی اور اس نے دارالخلافہ بہمنیہ احمد آباد بیدر پر قبضہ کر کے غارتگری کا کوئی پہلو ترک نہیں کیا، عمارات کو گرا دیا، مکانات میں آگ لگا دی، غرض شہر کو وحشت آباد کر دیا گیا۔ نظام شاہ ملکہ جہاں کی رائے سے مال واسباب کے ساتھ فیروز آباد منتقل ہوآئے۔ سلطان محمود قلعہ ارک کی فتح کے تدابیر میں مصروف ہوگیا جس کی حفاظت ملوخاں دکنی کے سپرد تھی۔ آخر سلطان محمود خلجی نے یکا یک فرار کیا۔ خواجہ محمود گاوان نے تعاقب میں کسر نہ اٹھا رکھی اور ہزاروں فوجی قتل کئے، بھاگنے کے راستے بند کر دئے۔ آخر سلطان محمود مقدم کونڈوارہ کی رائے سے صحرا کونڈواڑہ کی ۔۔۔۔۔۔۔ کے مہیب راستے سے بھاگنے پر آمادہ ہوا یہ راستا جس قدر دشوار گذار تھا اتنا ہی بے آب وگیاہ اس پر مقدم کونڈوارہ نے پرانی دشمنی ظاہر کی یعنی راستے کے کنویں بند کرادئے بمشکل سلطان نے اس راستے سے عبور کیا۔ مگر بارہ ہزار فوج اس بے آب وگیا جنگل میں کام آئی۔

سلطان محمود نے ۸۶۷ھ میں پھر دوسرے حملہ کی ٹھانی مگر سلطان محمود گجراتی کی امداد نے اس حملہ کو عالمِ وقوع میں نہ آنے دیا۔

سلطان محمود خلجی کو نہایت متقی و پرہیزگار بادشاہ بتایا جاتا ہے، چنانچہ اکل حلال کی فکر میں یہاںتک شغف معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مطبخ خاص لشکر سے الگ ہوتا تھا اور جنس وسبزی کا یہاں تک انتظام تھا کہ بڑے بڑے تختوں پر کاشت کی جاتی تھی جو سفروں میں ساتھ رہتے تھے۔

عارضی قیام احمد آباد و بیدر میں یہ ترکاریاں غالباً کم ہوگئیں۔ بادشاہ نے شاہ شمس الدین حق گو[1] کو بلا کر پوچھا کہ آپ ذرا ان حلال زمینوں کا پتہ دیجئے جہاں سے اکل حلال حاصل ہو۔ حق گو نے کہا کہ مسلم سلطنت پر حملہ مسلم بادشاہ سے جنگ کرنا اور حلال ترکاریوں کی خواہش عجیب بات ہے۔ پہلے تلوار سے سرخی خون مسلم کا دھبہ دھوڈالو پھر حلال سبزی کی فکر کرو۔[2]

سلطان محمود کے دوسرے حملہ کے بعد نظام شاہ نے دوبارہ احمد آباد کو آباد کیا اور اس کی زیب وزینت پہلے سے دگنی کر دی۔ اسی سنہ میں ملکہ جہاں نے اپنے اعزا میں سے ایک لڑکی منتخب کر کے نظام شاہ کا عقد ٹھہرایا لیکن شادی کا گھر ماتمکدہ بن گیا یعنی نظام شاہ نے دفعۃً انتقال کیا۔ تاریخ انتقال ۱۳ر ذیقعدہ ۸۶۷ھ ہے۔[3] موت کا سبب معلوم نہ ہوا۔[4] بقول فرشتہ مدت سلطنت ایک سال وایک ماہ اور صاحب طبقات نے ایک سال گیارہ دن مقرر کئے ہیں۔ ہسٹری آف انڈیا جان مارسمین میں ہے کہ دوسرے[5] سال کے آخر میں انتقال کیا۔

پھول تو دو دن بہار زندگی دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

---

(۱) شاہ شمس الدین شاہ خلیل اللہ بن شاہ نعمت اللہ کی قبر کے مجاور تھے۔ اسی مذکورہ واقعہ نے ان کو حق گو مشہور کیا۔ (۲) فرشتہ، ج۱ ص ۳۴۴ (۳) فرشتہ
(۴) ہفت گلشن محمد شاہی قلمی (۵) ہسٹری آف انڈیا مترجمہ عبدالرحیم گورکھپوری مطبوعہ کلکتہ، ص ۴۰۱۴

دو شعر

کشتیٔ عمر روانہ شب دیجور میں ہے
اتنا پانی مرے رستے ہوئے ناسور میں ہے

✡

بڑے شوق سے سن رہا تھا زمانہ
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

(خطیب اعظم علامہ سید سبط حسن نقوی فاطر جائسی)